18/34

اسلامی اقدار کا نقیب

ہفت روزہ ترجمانِ اسلام

نگرانِ اعلیٰ: مولانا مفتی محمود

101

16-1-76

قولِ محمود

گذشتہ اٹھائیس برس سے حکمرانوں نے ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ سے انحراف کر کے اسلام اور قیامِ پاکستان کے مقصد سے غداری کی ہے

جن کا ثانی ہے محال!

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں:

تجھ پہ رحمت کی کرے بارش خدائے ذوالجلال
حضرتِ میرِ شریعتؒ، خندہ رو، خندہ جمال!
خواجۂ کونین سے تیرا تعلق سرمدی
سنتِ خیر البشرؐ سے تیری الفت لازوال
ہے رسول اللہؐ سے تیری محبت کا ثبوت
داستانِ شردھانند و داستانِ راجپال
تیری رگ رگ میں رواں تھا عشقِ اصحابِؓ نبیؐ
جانتا تھا تو محمدؐ کے غلاموں کا مآل!
گونجتے ہیں آج بھی کانوں میں تیرے زمزمے
اے جہادِ حریت کے پاسبان، شعلہ مقال
تجھ کو بخشی تھی خدائے ذوالمنن نے خواجگی
تجھ سے لرزاں، شاطرِ افرنگ کا جاہ و جلال
سامراجیت کا پرچم، سرنگوں کر کے رہے
تیرے لمحے، تیرے دن، تیرے مہینے تیرے سال
تیرا اندازِ تکلم بھول سکتا ہی نہیں!!
تیرے دیوانوں کو اے شیریں سخن، شیریں مقال
تیرے احسانات کا بارِ گراں ہے قوم پر!
اے زعیمِ حریت، اے رہنمائے خوشخصال
تجھ پہ روشن تھا مقامِ حضرتِ نانوتویؒ
تجھ کو محمود الحسنؒ سے تھی محبت بے مثال
وہ، ملی تھی جس کو جرأت ورثۂ اسلاف میں!
تھا یقیناً مردِ حق آگاہ، مردِ باکمال!
آسمانِ رشد کے روشن ستاروں کے خلاف
ہرزہ بافی کر رہے ہیں آج کچھ "روشن خیال"

فخر کیوں نہ ہو مجھے اکرامؔ ان اسلافؒ پر
جن کی عظمت بے نہایت، جن کا ثانی ہے محال!

اکرام القادری

ہفت روزہ
ترجمان اسلام
لاہور

جلد نمبر ۱۸ شمارہ نمبر ۳۴
جمعۃ المبارک ۲۹ اگست ۱۹۷۵ء ۲۰ شعبان المعظم

سرپرست
مولانا عبید اللہ انور

رئیس الادارہ
اکرام القادری

مجلس ادارت
مولانا سعید احمد رائے پوری
سید مطلوب علی زیدی
عمیر الہاشمی

★ ★

بدل اشتراک
سالانہ ـــــ ۳۸ روپے
ششماہی ـــــ ۱۹ روپے
سہ ماہی ـــــ ۹/۵۰ روپے
فی پرچہ :
۷۵ پیسے

یہ نمبر پریس میں چھپا اور مولانا عبید اللہ انور نے [illegible] شائع کیا

اداریہ

اکرام

مخدوش صورت حال

ہم نے گذشتہ شمارے میں بنگلہ دیش میں انقلاب کے سلسلے میں کسی حتمی اور یقینی و یک طرفہ رائے کے اظہار سے اس لیے گریز کیا تھا کہ بنگلہ دیش کے بارے میں موصول ہونے والی ہمہ طرفہ گوناگوں اور بوقلموں اطلاعات یقین و اعتماد کی بجائے اشتباہ و ارتیاب کی سان پر پوری اترہی ہیں اور یہ کوئی ایسی بعید از عقل و قیاس بات نہیں کیونکہ اس قسم کا اچانک انقلاب جہاں کہیں بھی رونما ہوگا وہاں ایسی ہی مشکوک و مشتبہ صورت حال سے دو چار ہونا پڑے گا۔ خصوصاً جب کسی ملک میں انقلاب فوج کی طرف سے آئے یا انقلاب کی پشت بانی کا "فریضۂ خیر" فوج انجام دے رہی ہو۔

بنگلہ دیش کی موجودہ انقلابی حکومت نے سنسر کی پابندیاں پہلے سے زیادہ سخت کر دی ہیں۔ حتیٰ کہ بچے کھچے چند غیر ملکی اخبارات کے نمایندوں کو بھی فوراً کوچ کرنے اور ملک کی سرحدوں سے باہر نکل جانے کا فرمان واجب الاذعان صادر ہو چکا ہے۔ مغربی سفارتی حلقوں کی مداخلت و سفارش سے جن نمایندوں کو محدود مدت کے لیے قیام کی اجازت دی گئی تھی اب وہ بھی رخت سفر باندھ رہے ہیں۔ چونکہ بقول بنگلہ دیشی انقلابی حکومت انہوں نے سنسر شپ کے قواعد کو ملحوظ نہیں رکھا تھا اور بغیر سنسر کرائے غیر ممالک کو خبریں ارسال کرنا شروع کر دیں تھیں۔

پاکستانی اخبارات و جرائد کی معلومات کا مآخذ و منبع اکثر و بیشتر مغربی پریس ہے۔ کہا جا سکتا ہے، کہ موجودہ مخدوش معلومات بھی مغربی پریس کی رہین منت ہیں۔

مزید جو کچھ سامنے آیا ہے وہ یہ ہے کہ بنگلہ دیش میں امن و عافیت عنقا ہے۔ افراتفری، بدامنی قتل و غارت گری اور خوف و ہراس کے مہیب و ہولناک سائے پورے ملک کی فضاؤں پر مستولی ہیں —— بنگلہ دیشی وزیر خارجہ جناب ابو سعید چوہدری بیرونی دنیا کو صورت حال معمول پر آجانے کی یقین دہانی یکہ و تنہا کرا رہے ہیں، مگر ان کی واحد نحیف و نزار آواز پر دنیا والے کان دھرنے کو تیار نہیں۔ راکھی باہنی اور مسلح افواج ایک دوسرے کے سامنے سینے تانے ہوئے ہیں۔ مسلح افواج بھی کسی ایک پروگرام پر متفق نہیں بلکہ افتراق و انتشار کا شکار ہیں۔

یہ بات اب محتاج بیان نہیں کہ بنگلہ دیش کے موجودہ انقلاب میں عوام کے نہیں فوج کے ہاتھ ہیں۔ اور اب بھی انقلاب کی ایک کان فوج کے ایک گروپ کے ہاتھ میں ہے۔ جناب کھنڈکر مشتاق احمد بظاہر انقلابی حکومت کے سربراہ ہیں، لیکن پردہ زنگاری میں کچھ اور رینگتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔

انقلابی حکومت نے مجیب حکومت کے بیشتر ارکان پر مارشل لا کے تحت خصوصی عدالتوں میں مقدمے چلانے کا فیصلہ کیا ہے۔ تادم تحریر معروف شخصیتوں میں سے بنگلہ دیش کے سابق نائب صدر، وزیر اعظم، پانچ وزرا، اور آٹھ ارکان پارلیمنٹ گرفتار کیے جا چکے ہیں۔ مجیب حکومت میں اہم شعبوں سے تعلق رکھنے والے ۲۶ ارکان پابند سلاسل اور پس دیوار زنداں کر دیئے گئے ہیں، گرفتار شدگان پر وہی پرانا اور مجرب الزام ہے جو برسر آنے والی حکومت اپنی پیشرو حکومت کے اہم افراد پر لگایا کرتی ہے۔ یعنی ناجائز طور پر دولت جمع کرنے، غیر سماجی سرگرمیوں میں مبتلا ہونے، غیر قانونی طور پر ہتھیار رکھنے اور اقربا پروری کرنے کا ۔ م

ہمارے نزدیک یہ تمام گرفتاریاں بنگلہ دیش کی مخدوش اور ابتر صورتِ حال کی غماز ہیں. محسوس ایسا ہوتا ہے کہ گرفتار ہونے والے افراد نے موجودہ حکومت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انقلابی حکومت نے مصالحت و مفاہمت کی راہِ صواب اختیار کرنے کے بجائے طوق و سلاسل اور حبس و جلاوطنی کو ترجیح دی ہو۔ ہمارے خیال میں وسیع پیمانے پر دُوررس اثر و رسوخ رکھنے والی شخصیتوں کی گرفتاریوں سے حالات کی سنگینی میں اضافہ ہوگا، جب کہ ضرورت اس امر کی تھی کہ گذشتہ را صلوات اور آیندہ را احتیاط کے اصول محکم پہ عمل پیرا ہو کر ملک و قوم کی ترقی کے لیے راہیں تلاش کی جاتیں، مگر نہیں انقلابی حکومت افہام و تفہیم کی بجائے انتقام و تعذیب پر یقین رکھتی ہوئی نظر آرہی ہے۔

اس سلسلہ میں ہم بطورِ دلیل شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے بیوی بچوں کا دردناک قتل پیش کر سکتے ہیں۔ مجیب الرحمٰن آمر غاصب اور مجرم سہی اور اس کو اس کے کیے کی سزا یا نوشتہ تقدیر کا نام دیا جاسکتا ہے، لیکن کیا اس کی بے خطا بیوی اور جواں سوال بیٹے بھی مجرم تھے جنہیں بھاگ کر جان بچانے اور رحم کی درخواست کے باوجود دردناک طریقے سے ہلاک کر کے آتشِ انتقام کو ٹھنڈا کیا گیا۔ مجیب کی زندگی میں مجیب کے بیوی بچوں کو ہلاک کرنے کی منطق تو ایک حد تک سمجھ میں آسکتی ہے کہ مجیب کو اس سے ذہنی اذیت ہوتی، گو جواز اس کا بھی نہیں۔ مگر مجیب کے قتل کے بعد اس کے بچوں کو انتقام کے شعلوں کی نذر کرنا ہمارے فہم سے بالا ہے۔

اگر اب بھی انقلابی حکومت ملک کی ترقی اور خوش حالی چاہتی ہے تو اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ تمام تر اختلافات کو ختم کر کے مل جُل کر عوام کی بہبود و بھلا[illegible] کے [illegible] کوشش کرے ورنہ اقتدار کی چکا چوند آنی جانی شے ہے۔

رہا بنگلہ دیش کو اسلامی جمہوریہ یا عوامی جمہوریہ قرار دینے کا تعلق، تو ہم نہ پہلے خوش فہمی میں مبتلا ہوئے اور نہ اب ہیں جب کہ بنگلہ دیشی انقلابی، بلکہ در پردہ فوجی حکومت نے واضح طور پر اس الجھاؤ اور ابہام و غلط فہمی کو دور کر دیا ہے گذشتہ شمارے میں ہم نے جس جچی تلی اور محتاط رائے کا اظہار کیا تھا، ہمیں اس سے رجوع کرنے کی نوبت نہیں آئی اور نا ہی ہمیں اپنی رائے پر سبک سر ہونا پڑا۔

اس کے برعکس ہمارے بہت سے مہربان ہکّا بکّا رہ گئے جب انہوں نے یہ سنا کہ:

" میرا ملک بدستور عوامی جمہوریہ
بنگلہ دیش ہے، اسلامی جمہوریہ
بنگلہ دیش نہیں "

اس اعلان کے بعد ہم اِن اچھل کود اور شور و غوغا کرنے والوں کی خدمت میں یہی گذارش کر سکتے ہیں کہ وہ ہر شنیدہ و بے تحقیق آواز پر جذباتیت کا شکار ہونے کی بجائے سنجیدگی سے غور و فکر کو ترجیح دیا کریں۔ اسلام کے نام پر مقصد برآری کے لیے اٹھنے والی ہر آواز خواہ کتنا ہی سوز و گداز لیے ہوئے ہو، مبنیٔ بر صداقت و حقیقت نہیں ہوتی۔ اس سلسلے میں تجربات بکھرے پڑے ہیں۔

ہمارے یہاں ایک طبقہ وہ بھی ہے جسے ہندوستان، افغانستان، بنگلہ دیش کی جمہوریت کے تنِ نازک میں بل گوارا نہیں۔ وہ جب بھی سنتا ہے کہ ہمارے پڑوسی ممالک میں جمہوریت کو کچھ کہا جا رہا ہے تو وہ طبقہ کرب و بے چینی سے نیم بسمل ہو ہو جاتا ہے۔ یہ طبقہ جسے میں مفاد پرست بلکہ ملک دشمن کہوں گا۔ اندرا گاندھی، سردار داؤد اور مجیب کو تو آمر و غاصب کہتا رہتا ہے لیکن اسے اپنے گھر کی خبر نہیں ہوتی اور اگر ہوتی ہے تو مفادات کی دیوار زبان گنگ کیے رکھتی ہے، یا اپنی روایتی اور پشتینی بزدلی و جبن کی وجہ سے اپنے اندر سکت ہی نہیں پاتے کہ اپنے "آمر" کو ٹوکیں۔ انڈیا، افغانستان اور بنگلہ دیش کی جمہوریت کی دادرسی کی جاتی ہے، اس کے سر پر ہاتھ رکھا جاتا ہے، اس کے آنسو پونچھے جاتے ہیں۔ جمہوریت کو کچھ کہنے والوں کے کارٹون شائع کیے جاتے ہیں مضامین گھسیٹے جاتے ہیں، مقالے سپردِ قلم ہوتے ہیں، جلسے جلوسوں اور مظاہروں تک اہتمام کیا جاتا ہے۔ لیکن اسی جمہوریت کی اگر اپنے ملک میں درگت بنتی ہے تو اپنے ملک کے آمر سے کوئی نہیں پوچھتا کہ تیرے منہ میں کتنے دانت ہیں. شاید یہ جمہوریت اور اسلام کے جھوٹے دادرس پاکستان میں جمہوریت کے فروغ اور اسلام کے نفاذ کو پاکستان کے حق میں اچھا نہیں سمجھتے۔ انہیں ڈر ہے کہ کہیں سچ مچ پاکستان میں اسلام اور جمہوریت کا عمل دخل ہوگیا تو پھر ہماری من مانیاں ختم ہو جائیں گی۔ یہ خوف زدہ ہیں کہ اگر اسلام اور جمہوریت کا سر اونچا ہوگیا تو ہمیں بھی جمہوریت کے ضابطوں کا احترام اور اسلامی احکامات پر عمل پیرا ہونا پڑے گا۔ جو یہ دل سے نہیں چاہتے۔ زبان سے اسلام اور جمہوریت کا شور برپا کیے رکھتے ہیں وہ بھی غیر ممالک کے لیے اپنے لیے نہیں۔ ع براین عقل و دانش بباید گریست۔

رہنماؤں اور کارکنوں کی گرفتاریاں

اس وقت ملک کے طول و عرض میں جمعیۃ علماء اسلام اور جمعیۃ طلباء اسلام کے رہنماؤں اور کارکنوں کی گرفتاریاں جس تیزی اور سرعت سے کی جا رہی ہیں وہ پوشیدہ نہیں۔ عوامی حکومت کے اہل کاروں نے ان مخلص کارکنوں کے خلاف پورے ملک میں D.P.R اور دیگر کالے قوانین کے تحت مقدمات کا جال بچھایا ہوا ہے، بے بنیاد مقدمے قائم کر کے جمعیۃ علماء اسلام اور جمعیۃ طلباء اسلام کے انتھک مجاہد اور مخلص رہنماؤں اور کارکنوں کے حوصلے پست کرنے کی ناکام کوشش کی جا رہی ہے۔ "عوامی حکومت" شاید گوجرانوالہ میں اکتوبر میں ہونے والے جمعیۃ علماء اسلام کے عظیم کنونشن سے بوکھلائی ہوئی ہے۔ حکومت چاہتی ہے کہ اس قسم کی گرفتاریوں اور ظلم و تشدد کے ذریعے

باقی صفحہ ۲۲ پر

مشرق و مغرب کی سیاست

مرسلہ: ڈاکٹر احمد حسین کمال

ایشیا کو بھی امن کی ضرورت ہے

ہیلسنکی کی تاریخی کانفرنس کے بعد یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ یورپ امن اور سلامتی کے مفادات کے پیش نظر ہمہ گیر باہمی تعاون کے ڈھانچے کو وسعت دیتے ہوئے آگے بڑھے گا، لیکن ایک براعظم اور بھی ہے جس کو آج امن کی کچھ کم ضرورت نہیں ہے۔ اس براعظم کا نام ایشیا ہے اور اس کو ان مسائل کا حل تلاش کرنا ہے جن کی شدت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے۔ وہاں تصادموں کے خطرات بدستور موجود ہیں جو لاکھوں اور کروڑوں افراد کے لیے مصائب و مشکلات کا سبب بن سکتے ہیں۔

سرد جنگ اور بڑھتے ہوئے جنگی جنون کے زمانے میں ایشیا کے بہت سے ترقی پذیر ممالک جارحانہ فوجی بلاکوں میں شامل ہوگئے تھے۔ ایشیا کے پڑوسی ممالک کے مابین مصنوعی اختلافات پیدا کیے گئے اور ان اختلافات کو شدید سے شدید تر بنا دیا گیا۔ ان میں سے بعض ممالک کو، جو سامراجی پالیسیوں پہ کاربند تھے ان ممالک پر دباؤ ڈالنے کا ذریعہ بنایا گیا، جو غیر جانبدارانہ پالیسی پر عمل پیرا تھے۔

بین الاقوامی تعلقات کے بگڑتے ہوئے ماحول کے مثبت اثرات ایشیا میں بھی محسوس کیے گئے۔ سامراجی پالیسی کی ناکامی کے سبب ہند چینی کی سرزمین پر امن و امان قائم ہوا۔ بہت سی ایشیائی قوموں اور خصوصاً تھائی لینڈ اور فلپائن کی پالیسیوں میں تبدیلیاں آ رہی ہیں پچھلے کچھ عرصے میں یہ ممالک اپنی یک رخی خارجہ پالیسیوں کو ترک کرنے اور اپنے پڑوسیوں اور غیر سرمایہ دار ریاستوں کے ساتھ تجارتی تعلقات استوار کرنے کے خواہش مند نظر آتے ہیں۔

ایشیا میں امن و امان کے امکانات بڑھ رہے ہیں!

ایشیا کی تمام قوموں کے درمیان پرامن باہمی تعاون کے حقیقی امکانات روشن ہو رہے ہیں، لیکن ان تمام سازگار رجحانات کے باوجود سامراجی حلقے اپنی مورچہ بندیوں کو برقرار رکھنے اور کشیدگی کے مراکز قائم رکھنے کی فکر میں ہیں۔

ایسے حالات میں ایشیا میں اجتماعی بنیاد پر سلامتی کے نظام کا قیام خاص طور پر اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ اگر یورپ کے ممالک اپنے مختلف سماجی نظاموں کے باوجود سر جوڑ کر بیٹھ سکتے ہیں اور یورپ کی سلامتی سے متعلق اصول وضع کر سکتے ہیں تو پھر ایشیائی ممالک بھی جو پہلے ہی بنڈونگ اصول وضع کر چکے ہیں، ایشیا میں امن کی عمومی حکمت عملی کا خاکہ مرتب کر سکتے ہیں۔

یورپ کا تجربہ اس امر کا شاہد ہے کہ ایک صحت مند بین الاقوامی صورت حال پیدا کرنا ہی تمام چھوٹے بڑے ممالک کی ذمہ داری ہے۔ یوروپی ریاستوں نے جنیوا اور ہیلسنکی میں اجتماعی طور پہ جس سفارتی جدوجہد کا مظاہرہ کیا وہ مؤثر ثابت ہوئی ہے۔ ایشیا میں امن اور سلامتی کی ضمانت کی روش کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ ریاستیں امن، کشیدگی میں کمی اور بین الاقوامی تعاون کی توسیع کے لیے مشترکہ طور پہ جدوجہد کریں۔

ایشیا کو سلامتی کے ایک اجتماعی نظام کی ضرورت ہے۔ اگر ایشیائی ریاستوں کے رہنما اس ناقابل تردید حقیقت ہی کو تسلیم کرلیں تو یہ کشیدگیوں کو کم کرنے کی جانب مائل ہونے کے لیے لازمی شرطِ اولیں فراہم کرسکتی ہے اور ایشیا میں پائیدار امن اور سلامتی کے عملی قیام کو ممکن بنا سکتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام شعبوں میں باہمی طور پر مفید روابط کو اور تمام ایشیائی ریاستوں کے درمیان پرامن باہمی تعاون کو بتدریج فروغ حاصل ہوگا اور ان تعلقات میں ہر ریاست کی آزادی و خودمختاری کا احترام کرتے ہوئے پرامن بقائے باہمی کے ان مشہورِ عالم اصولوں کی سختی سے پابندی کی جائے گی جن کا بنڈونگ میں اعلان کیا گیا تھا۔

ان اصولوں کی بنیاد پر ایشیائی ممالک کے مابین ایسے تعلقات پر ہونی چاہیے کہ جو تمام

قوموں کے بنیادی مفادات کے مطابق ہوں۔ یہ تعلقات کسی ایک ملک یا ملکوں کے خلاف نہیں ہونے چاہئیں اور یہ بات طے شدہ تصور کی جانی چاہیے کہ تمام متعلقہ ریاستیں مشترکہ طور پر جدوجہد کریں گی۔ یہ بار بار کہی جا چکی ہے کہ ایشیا میں سلامتی کے اجتماعی نظام کے قیام کے دوران کسی بھی ایسے ملک کی جانب سے پیش کردہ تعمیری تجاویز پر غور کیا جا سکتا ہے اور ایسا کیا بھی جانا چاہیے جو اس مسئلے کو حل کرنے میں مدد دینے کا خواہش مند ہو۔

ایک نیا دور یعنی سلامتی اور باہمی تعاون کا دور یورپ کا منتظر ہے، لیکن ایشیا کس کا منتظر ہے؟ اس مسئلے پر غور و فکر کے لیے یورپ کی طرح ایشیا میں بھی سلامتی اور باہمی تعاون سے متعلق ایک کانفرنس منعقد ہونی چاہیے۔

پُرامن بقائے باہمی کے دس (۱۰) اصول

جو حالیہ کل یورپی کانفرنس میں طے پائے

یکم اگست ۱۹۷۵ء کو پاکستان کے وقت کے مطابق دن کے آٹھ بجے ایک چرمی جلد کی کتاب ان ۳۵ ریاستوں کے رہنماؤں کے سامنے پیش کی گئی جو ہیلسنکی میں ہونے والی کل یورپی کانفرنس میں شریک تھے۔ اس کتاب پر جس میں کانفرنس کی آخری کارروائی شامل تھی۔ اسی روز کانفرنس میں شریک وفود کے قائدین نے دستخط کیے۔

شومئی قسمت سے یکم اگست کا دن تاریخ میں ایک سیاہ دن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ۱۹۱۴ء میں یکم اگست ہی کو یورپ میں پہلی عالمی جنگ شروع ہوئی تھی۔ جس نے بڑی تیزی کے ساتھ پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس کے ربع صدی بعد یورپ میں ایک اور عالمی جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔

یکم اگست ۱۹۷۵ء کو ۳۳ یورپی ریاستوں اور ان کے ساتھ ہی امریکہ اور کینیڈا نے برّاعظم یورپ کے ملکوں کے سیاسی اسلحہ خانوں سے جنگ کو خارج کرنے کے سلسلے میں سنجیدہ اور ذمہ دارانہ اقدام کیے۔

ہیلسنکی کانفرنس میں پرامن بقائے باہمی اور باہمی تعاون کے جو کلیدی اہمیت کے دس اصول وضع کیے گئے ہیں وہ درج ذیل سطور میں پیش کیے جا رہے ہیں:

۱۔ ریاستوں کی مساویانہ حیثیت اور اقتدارِ اعلیٰ کے نتیجے میں حاصل ہونے والے حقوق کا احترام،

۲۔ طاقت کے استعمال یا طاقت کے استعمال دھمکی سے اجتناب۔

۳۔ سرحدوں کی ناقابل انفساخ حیثیت۔

۴۔ ریاستوں کی علاقائی سالمیت۔

۵ تنازعوں کو پرامن طور پر طے کرنا۔

۶۔ اندرونی معاملات میں عدم مداخلت۔

۷۔ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں اور مذہبی عقائد کی آزادی کا احترام،

۸۔ قوموں کی مساویانہ حیثیت اور اپنے مستقبل کا آپ فیصلہ کرنے کا حق۔

۹۔ ریاستوں کے مابین باہمی تعاون۔

۱۰۔ بین الاقوامی قانون کے تحت عاید ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا۔

اس کانفرنس کے کردار اور یورپ میں سلامتی سے متعلق اصولوں کی زبردست اہمیت اس حقیقت میں پوشیدہ ہے کہ یہ اصول ماضی کے تجربے اور عصر حاضر کے حقائق کا نتیجہ ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ مستقبل کے لیے امن اور باہمی تعاون کے تعلقات کا لائحہ عمل پیش کرتے ہیں۔ مفاہمت کے نتائج کی ان اصولوں میں تجسیم کی جا رہی ہے اور کانفرنس میں شریک تمام ممالک کے مفادات کو پوری احتیاط کے ساتھ ان میں متوازن کیا جا رہا ہے اور اسی میں ان اصولوں کی زبردست اخلاقی اور سیاسی قوت کا راز پوشیدہ ہے۔

یورپی تاریخ کے ہیبت ناک تجربے کے پیش نظر یہ بات آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے سرحدوں اور علاقائی سالمیت کی ناقابل انفساخ حیثیت کے اصول کو ریاستوں کے مابین تعلقات کے ایک غیر متغیر قانون میں تبدیل کرنا کس قدر ضروری ہے۔ تاریخ کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتی۔ اگر اس سے سبق نہ لیا جائے تو بڑی سخت سزا بھگتنا پڑتی ہے۔

یورپ میں ہونے والی ہر چھوٹی بڑی جنگ نے دعوں، تنازعوں اور تصادموں کو جنم دیا۔

کانفرنس نے اقتصادی باہمی تعاون کو فروغ دینے کے لیے اس راہ کی موجودہ رکاوٹوں کو دور کرنے اور ہمہ گیر روابط کو ہر ممکنہ طور پہ وسعت دینے کے لیے جو رہنما اصول وضع کیے ہیں وہ سلامتی اور امن کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ تعمیری پرامن بقاتے باہمی کے وسیع پروگرام میں بہتر تجارت بڑے بڑے صنعتی اور نقل و حمل کے منصوبوں کا مشترکہ فروغ، پاور انجینئرنگ کے فروغ اور قدرتی وسائل کی تلاش کے سلسلے میں مشترکہ جدوجہد اور صحت اور قدرتی ماحول کے تحفظ کے مسائل کو مل جل کر حل کرنا شامل ہے۔ مذاکرات کا اہم نتیجہ یہ نکلا کہ اس حقیقت کو تسلیم کر لیا گیا کہ تجارت سے انتہائی رعایتی سلوک کے مفید اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

کانفرنس کی آخری دستاویز کی انسانی امور سے متعلق شعبوں کا مقصد ثقافت، تعلیم، اطلاعات اور دیگر شعبوں میں تبادلوں سے متعلق ایک مشترکہ طرز عمل اختیار کرنے میں مدد دینا ہے۔ اب تک جو مفاہمت پیدا ہو چکی ہے۔ وہ اس بات کی ضمانت ہے کہ باہمی تعاون کی بہت سی شکلیں سامنے آئیں گی۔ تبادلوں کی راہوں کو وسعت حاصل ہو گی اور اس طرح یورپی قوموں کی ثقافتوں

معاہدۂ تاشقند سے نئے پاکستان کی سربراہی تک

مسٹر بھٹو کی داستانِ سفر

ترتیب : اسعد رحمانی

۴۷ء کا پاکستان ۷۱ء میں دولخت ہوگیا۔ مشرقی حصہ بنگلہ دیش کے نام سے موسوم ہوکر پاکستان سے اپنا تعلق توڑ بیٹھا تو مغربی حصہ "نئے پاکستان" کے "عجیب وغریب نام سے" یاد کیا جانے لگا۔ بنگلہ دیش کی سربراہی کا اعزاز شیخ مجیب الرحمٰن کو حاصل ہوا جو گذشتہ ہفتہ عبرت ناک انقلاب کا شکار ہوگئے اور اس طرح تاریخ کا ایک باب ہمیشہ کے لیے تاریکیوں کی نذر ہوگیا۔

نئے پاکستان کے سربراہ مسٹر بھٹو ہیں اور پوری طرح صاحب قوت واختیار حکمران لیکن اس کے باوجود آج تک ملک کے دولخت ہونے کی بات راز ہے، جب کہ حمود الرحمٰن کمیشن بھی بنا اور اس کی رپورٹ بھی مرتب ہوگئی۔

رموز مملکت تو "بادشاہ" ہی جانتے ہیں تاہم دوسرے ذرائع سے حالات کا تجزیہ ممکن ہے آج ہم یحییٰ خان کے ایک وزیر ومشیر مسٹر جی ڈبلیو چوہدری کی کتاب "متحدہ پاکستان کے آخری ایام" کے منتخب اقتباس پیش کررہے ہیں جو وزیر اعظم بھٹو سے متعلق ہیں۔ یہ کتاب حال ہی میں لندن میں شائع ہوئی ہے جس کے طویل حصوں کا ترجمہ ممتاز اقبال صاحب کی محنت سے لاہور رسالہ "اداکار" میں شائع ہوا ہے —

موصوف نے لکھا ہے کہ ۶۵ء کی جنگ کے بعد جب مسٹر بھٹو نے بحیثیتِ وزیر خارجہ اسمبلی میں فخریہ اعلان کیا کہ مشرقی پاکستان کی حفاظت چین نے کی ہے تو بنگالیوں نے سوچنا شروع کر دیا۔ اس سوچ کی تہہ میں یہ نظریہ کارفرما تھا کہ جو مغربی پاکستان ہماری حفاظت نہیں کرسکتا اس پہ تکیہ کرنے کا مطلب ہی کیا ہے؟۔ (ص۱۳)

ایوب خان کی ڈرامائی علیحدگی کے ضمن میں لکھا ہے کہ :

> "آرمی ہیڈکوارٹر راولپنڈی میں گٹھ جوڑ اور سازباز کا سلسلہ ۶۶ء میں شروع ہوا۔ جنگ ۶۵ء کے بعد معاہدۂ تاشقند ہوا تو معاملات میں تیزی آہی گئی اور ۶۸ء میں (ایوب خان کی علالت کے دوران) قصہ انتہا کو پہونچ گیا۔ عوامی تحریک میں مسٹر بھٹو کے نام نہاد "انقلابی کردار" کے ڈانڈے جی۔ ایچ کیو راولپنڈی سے ان کے تعلقات کے ساتھ ملائے جائیں تو بات واضح ہوجاتی ہے" (ص۱۶)

اسی صفحہ پر موصوف نے آگے چل کر مزید لکھا ہے کہ :

> "مسٹر بھٹو کی چلائی ہوئی عوامی تحریک کو بھی جی ایچ کیو راولپنڈی کی آشیرباد حاصل تھی"

جی۔ ایچ۔ کیو میں ایوب خان کے خلاف جو زہر تھا اس کا سبب موصوف کے نقطۂ نظر سے یہ ہے کہ :

> انہوں نے محض اعلیٰ سول حکام مثلاً قدرت اللہ شہاب، این اے فاروقی فدا حسن اور الطاف گوہر پر ضرورت سے زیادہ اعتماد شروع کردیا تھا فوجی جرنیلوں کو یہ بات پسند نہ تھی" (ص۱۷)

۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کا پسِ منظر مسٹر چوہدری کے خیال میں یہ ہے کہ :

> ۶۲ء کی چین بھارت جھڑپوں کا پاکستان کے حکمرانوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ بھارت کمزور ہے اور کشمیر کے مسئلہ میں بھارت سے مخاصمت کی پالیسی بہت مفید ہوگی۔ اس نقطۂ نظر کو پالیسی بنانے میں جس شخصیت نے بھرپور حصہ لیا وہ مسٹر بھٹو تھے" (ص۱۸)

مسٹر چوہدری کے مطابق ایوب خان نے اہم معاملات کے لیے ایک طریقِ کار طے رکھا تھا جس کا مختصر لفظوں میں خلاصہ یہ ہے کہ :

> فوجی حضرات دو گروہوں میں تقسیم ہوکر ایک مسئلہ پر موافق ومخالف طرز عمل اختیار کرکے بحث کرتے تاکہ مسئلہ واضح ہوجائے، لیکن کشمیر کے مسئلہ میں بھارت سے مخاصمت کی پالیسی کے لیے وہ طریق اختیار نہ کیا گیا اس کی وجہ ایوب خان سے پوچھی گئی تو انہوں نے اپنے وزیر خارجہ اور سیکریٹری امور خارجہ مسٹر بھٹو اور مسٹر عزیز احمد (بھٹو کے وزیر مملکت برائے امور خارجہ) پر الزام لگایا کہ انہوں نے مجھے اندھیرے

میں رکھا اور یہی سبب ان حضرات کی علیحدگی کا تھا۔" ص ۱۸

اس کے بعد فاضل مصنف بھٹو کے فوجی ٹولہ سے تعلقات اور گٹھ جوڑ کا پس منظر ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مسٹر پیرزادہ (جنرل) ایوب کے ملٹری سیکرٹری تھے۔ ۶۴ء میں بیمار ہوئے تو اپنی ذمہ داری سے سبکدوش کر دیے گئے۔ اس کا انہیں صدمہ تھا اور شدید! ۶۶ء میں بھٹو علیحدہ کیے گئے تو "ایوب دشمنی" نے انہیں دوست بنا دیا۔ گویا دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی۔ (ص ۱۸)

ایوب خان کے زوال (۶۹ء) اور پاکستان کے دولخت ہونے میں بقول مسٹر چودھری جنرل پیرزادہ اور بھٹو اتحاد کا زبردست عمل دخل ہے۔ (ص ۱۸)

جیسا کہ عرض کیا گیا جنرل پیرزادہ کو ۶۴ء میں علیحدہ کیا گیا تو اس کا انہیں صدمہ تھا۔

جونہی ایوب خان کے قدم لڑکھڑانے لگے اور ملک انقلاب کی زد میں نظر آنے لگا تو یحییٰ خان اپنے کو کھلم کھلا آئندہ صدر گردانتے۔ جنرل پیرزادہ یحییٰ کے دیرینہ دوست تھے انہیں یہ بات پسند تھی کہ اس طرح ایک بار پھر وہ ایوانِ صدر میں اپنے آپ کو براجمان دیکھ رہے تھے۔ (ص ۲۱)

جب ایوب خان نے اپنے لندن میں طبی معائنہ کے بعد ۷۰-۶۹ء کے صدارتی انتخاب کی تیاریاں شروع کر دیں تو پورے ملک کی حزبِ اختلاف متحدہ طور پر الیکشن کے بائیکاٹ کا فیصلہ کر رہی تھی کہ ایوبی نظام میں جیتنا مشکل تھا، کیونکہ بنیادی جمہوریتوں کا نظام عوامی امنگوں کا مظہر نہ تھا، لیکن مسٹر بھٹو فوجی جرنیلوں، بالخصوص جنرل پیرزادہ سے دوستی کے رشتے بڑھا رہے تھے مقصد کسی نہ کسی طرح ایوانِ اقتدار میں آنا تھا، اس لیے انہوں نے مخالف جماعتوں کے بائیکاٹ میں شامل ہونے سے انکار کر دیا (ص ۲۱)

یہی دن تھے جب الطاف گوہر جیسے شہ دماغوں کے سبب دس سالہ ترقی کے جشن کا ڈرامہ رچایا جا رہا تھا۔ عوام بے چین تھے۔ اس بے چینی سے بھٹو پیرزادہ نے فایدہ اٹھایا۔ پیرزادہ اپنے دوست "زلفی" کو یقین دلا چکے تھے کہ فوج ایوب خان کی امداد نہیں کرے گی۔ لہٰذا بھٹو نے ایوب کے خلاف "معاہدہٴ تاشقند" کے عنوان سے تحریک شروع کر دی۔ چونکہ پنجاب، بھارت دشمنی میں سب سے آگے تھا اس لیے تیر کامیاب ثابت ہوا۔ بعض جرنیلوں کی ہلاشیری نے اور آسانی کر دی، حالانکہ وزارت سے ہٹائے جانے سے پہلے اس معاہدہ کا سہرا اپنے سر باندھتے تھے اور انہوں نے اسمبلی کے اندر و باہر اس کی وکالت بھی کی تھی۔ لیکن عوام کے کمزور حافظوں سے فایدہ اٹھایا۔ (ص ۳۳)

اب وہ وقت آیا کہ ایوب خان نے نوابزادہ نصراللہ خان کی سربراہی میں ڈیک کو دعوت دی کہ بات چیت کریں، لیکن بھٹو بھاشانی الگ تھلگ رہے بھاشانی طویل مخاصمت کے قائل تھے کہ اس کے بعد انقلاب آسان ہے اور بھٹو فوجی گروہ کی ہمدردیوں کے پیش نظر ایوب خان کے ڈوبتے ہوئے جہاز پر سوار ہونے کو راضی نہ تھے۔ (ص ۲۳)

نتیجہ یہ ہوا کہ سیاست جی۔ ایچ۔ کیو میں منتقل ہو گئی۔ گول میز کانفرنس بے سود۔ (ص ۲۴)

ایوب جو مذاکرات سیاسی لیڈروں سے کر رہے تھے اس میں مجیب بھی شامل تھا۔ ان مذاکرات سے فوجی حضرات خوش نہ تھے۔ ان کی مرضی و نامرضی جنرل پیرزادہ کی توسط سے بھٹو کو معلوم ہو جاتی۔ بھٹو نے ایک تیز بیان میں مذاکرات پر تنقید کی جس سے مجیب سیخ پا ہو گئے۔ (ص ۲۴)

یہاں آ کر ڈرامہ کا ایک سین ختم ہو گیا۔ ایوب رخصت ہو گئے۔ یحییٰ آ گئے۔ لیکن یحییٰ کو مشکل حالات کا سامنا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ عوامی تحریک صحیح لفظوں میں ایوب کے خلاف بغاوت تھی جس کا اصل منصوبہ جی۔ ایچ۔ کیو میں بنا تھا۔ ہوسِ اقتدار سے مغلوب فوجی جرنیل احساس محرومی کا شکار سیاست دان بھٹو سے مل گئے، ایوب سے نجات کا پروگرام بنایا۔ (ص ۲۷)

یحییٰ کے آتے ہی پیرزادہ جنرل آ گئے وہ بقول سنڈے ٹائمز پاکستان کے ڈی فیکٹو وزیر اعظم تھے۔ مزید انہیں یحییٰ کا راسپوٹین کہا جاتا۔ ۲۸ جولائی ۶۹ء کو یحییٰ نے انتقال اقتدار کے منصوبہ پر روشنی ڈالی۔ اس نے مارشل لاء نافذ کیا، آئین منسوخ کیا، اسمبلی توڑی، لیکن سیاسی جماعتیں بحال رکھیں۔ حکمران فوجی ٹولہ اندرونِ خانہ مجیب، بھاشانی، بھٹو جیسے لوگوں سے پہلے ہی رابطہ پیدا کر چکا تھا۔ (ص ۳۳)

اس مرحلہ پہ بھٹو نے چالاکی سے مغربی حصہ میں اپنی عمارت مضبوط کرنی شروع کی۔ پنجاب میں ہندوستان کا واویلا کیا۔ باقی حصوں میں غربت کا رونا رویا۔ ساتھ ہی فوجیوں کے بااثر ٹولے سے تعلقات مستحکم کرنے شروع کر دیئے۔

لطف یہ کہ یحییٰ خان سے محض گپ شپ کرتے یا پی پلا کر ـــــ وقت گذارتے۔ اصل مذاکرات جنرل پیرزادہ سے ہوتے (ص ۳۵)

۶۵ء کے آئین کو بھٹو اس لیے پسند نہ کرتے تھے کہ وہ برطانوی طرز جمہوریت کو پاکستان کے حق میں اچھا نہ سمجھتے تھے۔ مرکز اور صوبوں کے تعلقات، آئین کی اسلامی حیثیت،

باقی ص ۱۴ پر

مولانا حفظ الرحمٰن سہاروی

معاشیاتِ اسلام
اور دیگر معاشی نظام

کائنات ہست و بود میں ایک صالح معاشی نظام کی اس لیے ضرورت پیش آتی ہے کہ ہر انسان میں یہ فطری جذبہ موجود ہے کہ اس کو خدا تعالیٰ کی بخشی ہوئی زندگی سے فایدہ اٹھانا چاہیے۔ مگر یہ فطری جذبہ جب زندگی کی کش مکش اور وسائل حیات کی کشاکش میں ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے تو قانونِ فطرت جو کہ خدا تعالیٰ کی جانب سے تمام کائنات پر حاوی ہے، ہر ایک انسان کو اجتماعی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتا ہے، لیکن یہ حیاتِ اجتماعی بغیر کسی ایسے نظام کے متصور نہیں ہو سکتی جب تک ان کے درمیان ایسا تعاون و اشتراک موجود نہ ہو جس کی بنیاد عدل اور حقِ معیشت کی مساوات پر قائم ہو تاکہ وہ "صالح معاشی نظام" کے لیے کلید بن سکے اور اس قسم کا تعاون و اشتراک جب ہی عالمِ وجود میں آ سکتا ہے کہ نظامِ معاشیات میں حسبِ ذیل اصول کارفرما ہوں:-

○ وہ "نظام" ہر متعلقہ فرد کی معاشی زندگی کا کفیل ہو اور اپنے دائرہ عمل میں کسی بھی فرد کو معاشی زندگی سے محروم نہ رکھتا ہو

○ ایسے اسباب و وسائل کا قلع قمع کرتا ہو جو معاشی دستبرد کا موقع مہیا کر کے افرادِ انسانی کے درمیان ظلم و استبداد کی راہیں کھولتے اور معاشی نظام کے فساد کا موجب بنتے ہوں

○ دولت یا اسبابِ دولت کو کسی خاص فرد یا محدود جماعت کے اندر سمٹ آنے اور اس فرد یا جماعت کو نظامِ معیشت پر قابض و مسلط ہونے سے باز رکھتا ہو، تاکہ معاشی نظام تمام کائنات انسانی کی فلاح کی بجائے مخصوص طبقوں کے اغراض کا آلۂ کار بن کر نہ رہ جائے۔

○ محنت اور سرمایہ کے درمیان صحیح توازن قائم کرنا اور ایک کو دوسرے کی حدود غاصبانہ دستبرد سے بچانا۔

معاشیات کے جدید نظریات

ان اصولوں پر تفصیلی نظر ڈالنے سے قبل یہ پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ موجودہ علمی دور میں علم معاشیات کے متعلق جو موشگافیاں کی گئی ہیں، ان کا حاصل یہ ہے کہ معاشیات پر جن نقطہ ہائے نگاہ سے بحث کیا جانا ممکن ہے، وہ تین ہیں:

مابعد الطبیعاتی علمی نقطۂ نظر، طبیعاتی علمی نقطۂ نظر، اور تمدنی نقطۂ نظر، علماء معاشیات ان کو حسبِ ترتیب "معیاری نقطۂ نظر، ترتیبی نقطۂ نظر اور افہامی نقطۂ نظر سے تعبیر کرتے ہیں۔ معاشیات معیاری کسے کہتے ہیں۔ اس کو علم معاشیات کے ایک ماہر کی زبانی سنیے۔ فرماتے ہیں:

معاشیات معیاری کا مقصد معیشتِ موجودہ کی تشریح اور توجیہ نہیں بلکہ "معیشتِ صحیحہ" کا پتہ چلانا ہے۔ وہ محض یہ معلوم کرنے پر قانع نہیں کہ معاشی کل کے پرزے کیسے کام کرتے ہیں بلکہ وہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ معاشی کل، ہونی کیسی چاہیے-؟

معاشیاتِ معیاری کا مطمع نظر بہت بلند ہے وہ تو مقاصدِ معاشی کی تعیین کرنا چاہتی ہے اور اس تعیینِ مقاصد کو وہ "علم" کا کام بتاتی ہے۔ وہ ان ازلی و ابدی قوانین کے انکشاف کو اپنا فریضۂ عملی جانتی ہے جو سارے عالمِ اخلاق میں رائج ہیں اور جن کے زیر فرمان معیشتِ انسانی کا علاقہ بھی ہے۔ ان کا مقصدِ تلاش اور مطلوبِ جستجو معیشتِ صحیحہ ہے یعنی وہ معیشت مقصدِ حیاتِ انسانی اور مقصدِ کائنات کے مطابق اور ان سے ہم آہنگ ہو۔ یہی معیشتِ صحیحہ و صالحہ ہے، ان معیاروں کا مرکزی تصور ہے جس سے دوسرے تمام مسائل مثلاً "مناسب اور صحیح اجرت" "مناسب اور صحیح قیمت" "مناسب اور صحیح تقسیم دولت" "سود کا جواز و عدم جواز" خود بخود طے ہو جاتے ہیں۔ ان کے نظام میں قدرِ اعلیٰ معیشتِ صحیحہ ہے باقی سب اس سے ادنی اور اس کے ماتحت قدریں ہیں۔ معاشبات کا کام یہ ہے کہ اس قدرِ اعلیٰ کا پتہ چلائے۔ ماتحت قدروں کی اس کی مناسب و مطابق تشکیلات معلوم کرے اور جو معاشی ادارے واقعی موجود ہیں ان کو اس معیار پر پرکھ کر ان کے کھرے کھوٹے اور صحیح و غلط ہونے کا فیصلہ کرے "ترتیبی معاشیات" "علم طبیعات" کی ایک شاخ

ہے، جو علومِ طبیعی کی اساس و بنیاد پر اپنی عمارت استوار کرتی ہے، مگر عملی زندگی میں اس کی قدر محنت کے اعتراف کے باوجود اس کا سنگِ بنیاد کیا ہے؟ وہ محترم مصنف کے اس پارۂ بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان تینوں گروہوں (معروضیے، موضوعیے اور ریاضیاتی) میں قدر مشترک یہ ہے کہ سب کے سب فلسفہ کے مقابلے میں "علم" کے حامی ہیں۔ یعنی "جو کچھ ہے" اس سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔ جو ہونا چاہیے اس سے سروکار نہیں رکھتے۔ تمام "مافوق التجربہ" اور "مابعد الطبیعی" عناصر سے اپنے علم کو "پاک" رکھنا چاہتے ہیں اور معاشیات میں اخلاقی احکام کے سختی سے مخالف ہیں۔

ان سب کے نزدیک علوم طبیعی زیادہ مکمل علوم ہیں انہی میں سے تمام دوسرے علوم ہیں، خصوصاً معاشیات میں نمونہ کا کام لینا چاہتے ہیں، "ترتیبی معاشیات" کا مقصد یہ ہے کہ قوانین مرتب کرے تاکہ ہر منفرد مظہر معاشی کو کسی قانون کے تحت بحیثیت ایک مخصوص دفعہ کے لایا جا سکے کہ یہی ان کے نزدیک نظری علم کی کائنات ہے[1]

علم المعیشت کے مشاہیر اسی نظریے کے حامی ہیں۔ مثلاً جان سٹوارٹ مل کارل منگر کارل مارکس اور پریٹو وغیرہ۔

افہامی معاشیات کو علم تمدن کا ایک جزو سمجھنا چاہیے اور تمدن سے بھی وہ تمدن مراد ہے جو انسان ہی کا تمام تر ساختہ پرداختہ ہے اس لیے کہ افہام کی بنیاد و اساس اس اصول پر قائم ہے کہ ہم جنس کے لیے ہی ہم جنس کا سمجھنا ممکن ہے۔ چنانچہ اس کی تعبیر یوں کی جاتی ہے:

افہام کا یہ نظریۂ علم ان بنیادی افکار پر مبنی ہے کہ ہم جنس کا علم یعنی ہم جنس کا سمجھنا، ہم جنس ہی کے لیے ممکن ہے اور یہ کہ ہم پورے طور پر اور ہر پہلو سے اس چیز کو جان سکتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں۔ جسے ہم خود بنا بھی سکیں۔ مظاہر تمدن کے فہم کی کوشش میں چونکہ مدرِک بھی ذہنی ہے اور مدرَک بھی تشکیل ذہنی۔ اس لیے دونوں ہم جنس ہیں اور اسی لیے پورا علم ممکن ہے۔ مزید یہ کہ سارا تمدن آدمی کا ساختہ پرداختہ ہے۔ اسی لیے اسے بنایا گیا ہے، اس لیے یہ اسے سمجھ سکتا ہے۔ قدرت چونکہ ذہن انسانی کی خارجی شکل نہیں ہے، بلکہ امرِ الٰہی کی خارجی تشکیل ہے۔ قدرت انسان کی ساختہ پرداختہ بھی نہیں۔ اس لیے قدرت کا سمجھنا، قدرت کا پورا پورا علمِ حقیقی ذہن انسانی کے لیے ممکن نہیں ہے

لیکن معاشیات افہامی چونکہ تمدن کے صرف ایک ٹکڑے کو سمجھنا چاہتی ہے۔ متمدن زندگی یا انسانی زندگی کے مقصد و منشا و مضمر کا پتہ چلانا نہیں چاہتی .... اسی لیے "افہامی معاشیات" فلسفہ، یا مابعد الطبیعاتی حقیقت یا مذہب نہیں بلکہ سیدھا سادہ تجربی، جماعتی اور تمدنی علم ہے[1]

یہ ہیں علم المعیشت کے وہ نظریات جو موجودہ دور میں اس تمدنی علم کے مایۂ ناز سمجھے جاتے اور اس کو علم و فن کی حیثیت بخشتے ہیں۔

اسلام کا نظریہ معاش اور جدید نظریے —؟

لیکن اسلامی معیشت حدود ان نظریات سے زیادہ وسیع اور اسکی پرواز فکر ان سے کہیں زیادہ بلند ہے، وہ اپنے معیاری نقطۂ نگاہ میں ان تمام افکار کو بھی حامل ہے جن کا ذکر مندرجہ بالا سطور میں کیا گیا ہے اور ان سے وسیع تر افکار کو بھی اپنی آغوش میں لیے ہوئے ہے۔ اسی طرح وہ افہامی نقطۂ نظر سے بہت زیادہ وسیع اور بہت زیادہ نافع نظام عمل کا بانی اور موسس ہے۔

مثلاً جب کہ "معیاری معاشیات" کا اساسی تصور "معیشتِ صالحہ" کا تصور ہے تو گذشتہ سطور میں اسلامی نظام معاشی میں معیشتِ صالحہ کی جو تشریح کی گئی ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر معیشت کے صالح ہونے کا تصور کسی بھی معاشی نظام میں موجود ہے؟ اور کسی معاشی نظام کا نظریۂ فکر اس معراج و رفعت کو پہونچا ہے کہ وہ معاشی نظام کی غرض و غایت صرف رفع حاجات اور احتیاجات کے وسائل کی درمیانی خلیج کو پُر کرنا ہی قرار نہ دیتا ہو، بلکہ اس کو ذریعہ بناتا ہو اقوام میں باہمی اخوت و ہمدردی اور مساوات و مواسات کا، وسیلہ قرار دیتا ہو اخلاقی رفعت اور ابدی سعادت کے حصول کا۔

اور جب کہ افہامی معاشیات کا نقطۂ نظر نظر اور فکر کی جگہ موجودہ عملی معاشیات کا محور و مرکز ہے اور تمدن کے اس شعبہ کو جماعتی، تمدنی اور تجربیاتی حیثیت سے بروئے کار لاتا ہے۔ در آں حالانکہ تمدن کے اس ٹکڑے کو جس طرح اسلامی علم المعیشت نے سلجھایا اور اس کو طبقاتی جنگ اور سرمایہ داری کے غلبہ دونوں سے جدا رہ کر جس طرح عملی کسوٹی پر کسا اور تجربیاتی خراد پر اتارا اس سے بہتر اس آسمان کے نیچے اور زمین کے اُوپر دوسرا کوئی نظامِ عمل نظر نہیں آتا۔

رہا ترتیبی معاشیات کا نظریہ، تو اپنی فلسفیانہ اور طبیعاتی نقطۂ نظر کے اعتبار سے اسلامی نظریہ معاشیات سے بالکل جداگانہ بلکہ متضاد ہے۔ البتہ اس کے باوجود بھی اس کے چند جزوی پہلو جو اس نظریہ کی پابندی سے الگ اپنی جگہ مستقل ہونے کی حیثیت سے اپنے اندر بعض خوبیاں رکھتے ہیں تو اسلام کا نظامِ معیشت ان خوبیوں سے بھی خالی نہیں ہے۔

مثلاً جب کہ معاشی نقطۂ نظر میں سب سے پہلا معاملہ ان اعمال سے وابستہ ہے جو

---

[1] : معاشیات مقصد و منہاج ۔
از: ڈاکٹر ذاکر حسین ۔

[1] : معاشیات مقصد و منہاج ۔
از ڈاکٹر ذاکر حسین ۔

رفع حاجات کے وسائل کی درمیانی خلیج کو پاٹتے ہیں تو خواہ کسی اسلوب سے بھی ہوں ان اعمال میں نقص و کمال اور ترقی و تنزل کا ہونا لازمی ہے اور یہی سبب بنتا ہے ایک فلسفہ کا جو ترتیبی درجات پر بحث کرتا اور ان کے نقص و کمال کو واضح کرتا ہے۔ گویا اسلامی معاشیات میں کوئی خاص فن کی حیثیت نہیں رکھتا۔ تاہم حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ شاہ صاحب نے اسے ”ارتفاقات“ سے تعبیر کیا ہے اور اس کے مختلف درجات قائم کیے ہیں اور ان کو ”عملی معاشیات“ ”تدبیرِ منزل“ اور سیاست و مدن وغیرہ کے لیے ذریعہ و وسیلہ کی حیثیت دی ہے۔ پس موجودہ علم المعیشت کے یہ نظریے ایک علم و فن کی حیثیت سے اسلامی معاشیات میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے، اور وہ اس قسم کی فنی اور علمی کاوشوں کے مقابلے میں ایسے اصول اور ان اصولوں کے ماتحت ایسے نظام کا داعی ہے جو انسانوں کی عام رفاہیت، خوش حالی اور ان کے امن و اطمینان کے لیے آلۂ کار بنیں اور معاشی راہ میں انسانوں کے درمیان غالب و مغلوب اور ظالم و مظلوم کی تقسیم کے لیے مانع ہوں۔

تجربہ اس بات کا شاہد ہے کہ جدید علمی دور میں منجملہ دیگر علوم و فنون کے علم المعیشت کو بھی بڑی حد تک ایک اہم علم و فن کی حیثیت حاصل ہے اور بڑے بڑے فضلائے یورپ و ایشیا نے اس پر ضخیم تصانیف پیش کی ہیں لیکن ان تمام ایں و آں اور چنیں و چناں کے باوجود علم المعیشت کا اصل مقصد یعنی عام رفاہیت و خوش حالی آج تک سوالیہ نشان بنی ہوئی ہے۔ دولت و ذرائع دولت ایک مخصوص طبقہ کے ہاتھ میں سمٹ کر اس طرح آگئے ہیں کہ عام انسانی آبادی کے لیے ”زندگی موت“ سے زیادہ بھیانک بن گئی ہے۔ بخلاف اس دور (دورِ نبوت و خلافت راشدہ) کے کہ وہاں معیشت کی یہ فنی اور علمی موشگافیاں اگرچہ عنقا تھیں، مگر عام خوش حالی اور رفاہیت کا یہ عالم تھا کہ بلا لحاظ مسلم و کافر، مومن و مشرک، مرد و عورت، صغیر و کبیر اور اجیر و مستاجر سب ہی امن و اطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے اور معیشت میں فارغ البال تھے۔

تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ اس دورِ خیر میں ایک وقت مملکت اسلامیہ کے اندر ایسا آیا کہ لوگ صدقات کے مال کو لیے پھرتے تھے، مگر اس کا قبول کرنے والا ہاتھ نہ آتا تھا۔

معاشی نظام کا منشا

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ دنیا میں کوئی کام بغیر کسی منشا و محرک کے وجود پذیر نہیں ہوتا۔ ہر عمل کی پشت پر ایک خاص ذہنیت کارفرما ہوتی ہے۔ کسی معاشی نظام کے صالح اور فاسد ہونے کا معیار بھی اس کے محرکات اور اس کے منشا کے صالح اور فاسد ہونے پر موقوف ہے۔ سو اگر اس کی پشت پر فاسد ذہنیت کام کر رہی ہے اور اس کے محرکات سرتا سر فساد ہیں تو بلاشبہہ وہ نظام فاسد نظام ہے اور اگر اس کی پشت پناہی ایک صالح ذہنیت کر رہی ہے اور اس کے تمام تر محرکات صالح اور اس کا منشا خیر ہی خیر ہے تو اس نظام کے صالح ہونے میں پھر کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں۔

اس اصول کے پیش نظر جب ہم معاشی نظام پر گہری نظر ڈالتے اور فکر عمیق سے کام لے کر جا پہونچتے ہیں تو اس کے محرکات و منشا یا اس سے متعلق ذہنیت کو صرف دو صورتوں میں محدود پاتے ہیں۔ ایک یہ کہ ”معاشی نظام“ کو اس لیے قائم کیا جائے کہ اس کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ نفع کمایا جائے۔ اور اس کو لین دین اور سودے بازی کی اسپرٹ میں رکھا جائے ھل من مزید کا نعرہ نفع بازی اور فایدہ طلبی کسی حد پر بھی جاکر ختم نہ ہو۔

یہ نظریہ سرمایہ دارانہ نظام کا بانی اور مؤسس ہے اور اسی کے زیرِ اثر یہ نظام پھلتا پھولتا ہے۔

ایک شخص کروڑ پتی اور ارب پتی ہونے کے باوجود بھی مارکیٹ میں ترقی اور اضافہ ہی کا خواہش مند رہتا ہے۔ کیوں کہ وہ معاشی نظام کے جس ماحول میں جد و جہد کر رہا ہے اس کی بنیاد زیادہ سے زیادہ نفع کمانے اور سودے بازی پر قائم ہے اور یہ صرف اربابِ دولت و ثروت ہی کو اور زیادہ بلند کرتا ہے باقی تمام انسانی آبادی کو افلاس و احتیاج سے دوچار بناتا ہے۔ یہاں رفع حاجات اور تکمیل ضروریات کے محرکات کام نہیں کرتے جو عام رفاہیت کا پیغام لائیں اور خوش حالی کو بحال کریں۔

دوسرے یہ کہ معاشی نظام کا منشا محرک محض نفع بازی نہ ہو، بلکہ ضروریاتِ زندگی کی تکمیل اور رفع حاجات ہو۔ اس کے منصۂ شہود پہ لانے کے لیے صرف یہ ذہنیت کام کر رہی ہو کہ انفرادی اور اجتماعی حاجات کو پورا کیا جائے نہ کہ زیادہ سے زیادہ منفعت کو پیش نظر رکھا جائے۔

معاشی نظام کے ان دو محرکات یا ان دو ذہنیتوں میں سے اسلام ایک ایسے معاشی نظام کا مؤسس و بانی ہے کہ جس کی بنیاد صرف کائنات انسانی کی رفع حاجات اور ضروریات اور انفرادی و اجتماعی احتیاجات کی تکمیل پر قائم ہے۔ وہ معاشیات کو دولت مندوں کے درمیان نفع کی دوڑ کا میدان نہیں بنانا چاہتا بلکہ رفع حاجات اور تکمیل ضرورت کے لیے ایک مفید اور نفع بخش ذریعہ بنا کر اس کی افادیت کو عام کرنا چاہتا ہے۔

گویا اس نظام معیشت میں زیادہ سے زیادہ کمانے والے افراد موجود ہوں گے۔ کیوں کہ سعی وکسب کے بغیر کوئی مومن زندگی نہیں گذار سکتا، لیکن جو فرد جتنا زیادہ کمائے گا اتنا ہی زیادہ انفاق پر مجبور بھی ہوگا۔ اسی لیے افراد کی کمائی جتنی بڑھتی جائے گی، اتنی ہی زیادہ جماعت بحیثیت جماعت کے زیادہ خوش حال ہوتی جائے گی۔ قابل اور مستعد افراد زیادہ سے زیادہ کمائیں گے۔ یہ صورت پیدا نہ ہو سکے گی کہ ایک طبقہ کی کمائی دوسرے طبقوں کے محتاجی و مفلسی کا پیغام ثابت ہو۔ جیسا کہ اب عام طور پر ہو رہا ہے۔[1]

اس تمام تر تفصیل کے بعد اب غور کیجیے کہ جس معاشی نظام کے کل پرزے اس طرح ڈھالے گئے ہوں اور اس کی ترقی ونشوونمائی ایسے ترتیبی اجزاء پر قائم ہو، جو صرف طبیعات ہی تک آ کر نہ ٹھہر جائیں، بلکہ اخلاقی و مذہبی محاسن کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے مذہب اور دستورِ الٰہی کے زیر فرمان عالم وجود میں آئیں اور اس کے محرک فلاحِ دارین اور سعادتِ کائنات کے وہ اصول ہوں جن میں معاشیات تکمیلِ حاجات اور رفع ضروریات کے لیے ہو، نہ کہ زیادہ سے زیادہ سودے بازی اور نفع طلبی کے لیے ایسے صالح اور صحیح نظامِ معاشی کا وجود بلاشبہہ دنیا کے لیے پیام رحمت اور دعوت امن وسلامتی ہے۔

الحاصل اسلامی معاشی نظام ایسا بہتر اور مکمل نظام ہے جو اپنے اندر علم المعیشت کے قدیم وجدید نظام ہائے مذہبی و عقلی کے تمام محاسن سموئے ہوئے ہیں اور اس سے بھی زیادہ خوبیوں کا مالک ہے اور دیگر نظاموں کے معائب و نقائص سے یکسر خالی ہے، بلکہ ان کے مذموم اثرات کا بہترین تریاق ہے۔ ان محاسن کے علاوہ اس کو یہ برتری حاصل ہے کہ وہ انسانوں کے دماغ کی اختراع نہیں ہے کہ جس کی بنیاد انتقام یا طبقاتی منافرت ایسی خام کاریوں پر رکھی گئی ہو، بلکہ وہ نظام کائنات کے خالق کا بنایا ہوا نظام عدل ومساوات اور برتر واعلیٰ ہے۔

بقیہ مسٹر بھٹو کی داستانِ سفر

اور ون یونٹ جیسے مسائل پر وہ کھل کر بات بھی نہ کرتے کہ میرے لیے اس طرح سیاسی مشکل پیدا ہو جائے گی۔ (ص۳۶)

جب یحییٰ نے ون یونٹ توڑ دیا اور آبادی کی بنیاد پر حق نمایندگی دے دیا تو فوجی جرنیل اور بھٹو خوش نہ تھے اور ان دونوں فریقوں نے یحییٰ پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ وہ اپنے منصوبہ میں ترمیم کریں۔ (ص۳۷)

۷۰ء کی انتخابی مہم کے دوران بھٹو کی یحییٰ کے راسپوٹین جنرل پیرزادہ سے معاملہ بازی رہی۔ اس کے علاوہ جنرل گل حسن میجر غلام عمر اور جنرل حمید کی یاری بھی بھٹو سے ہو گئی۔ (ص۴۲)

بالآخر ۲۵ مارچ ۷۱ء کو جب فوجی ایکشن شروع ہوا تو اس پر مسٹر بھٹو نے شکر ادا کیا اور کہا خدا کا شکر ہے کہ پاکستان بچ گیا۔ (ص۵۱)

بلکہ وہ ایکشن کے بعد اس دوران کے عرصہ میں یحییٰ مجیب مذاکرات سے خوش بھی نہ تھے۔ (ص۵۱)

الیکشن کے اختتام سے ۲۵ مارچ ۷۱ء فوجی ایکشن کے درمیانی عرصہ میں بھٹو کا طرزِ عمل اشتعال انگیز اور غیر مصالحانہ تھا۔ انھوں نے واضح طور پر کہا ہمارے بغیر حکومت نہیں چلے گی۔ ہم اپوزیشن بنچوں پر نہیں بیٹھیں گے، پنجاب ایوان اقتدار کی کنجی ہے۔ وغیرہ ذالک۔ (ص۵۲)

مجیب کا طرز عمل صحیح نہ تھا تو بھٹو بھی اقتدار کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ چاہے پورے پاکستان کا ہو یا آدھے پاکستان کا! (ص۵۲)

اس درمیانی عرصہ میں لاڑکانہ میں مذاکرات بھی ہوئے۔ بھٹو نے تمام "لوازمات سمیت" فوجی ٹولہ کی آؤ بھگت کی۔ بھٹو فوجی گٹھ جوڑ مستحکم ہوا۔ (ص۵۳)

لاڑکانہ مذاکرات کے بعد جرنیلوں نے زور دیا کہ مجیب کو للکارا جائے، لیکن بھٹو کا منفی رویہ نظر انداز کر دیا۔ (ص۵۴)

ان مذاکرات کے بعد بھٹو نے دھمکی دی کہ ہم سے سمجھوتہ نہ ہوا تو اسمبلی کا اجلاس نہ ہو سکے گا۔ خیبر سے کراچی تک انقلاب برپا ہوگا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ فوجی ٹولہ کے موثر ارکان بھٹو کی پشت پر تھے۔

بھٹو کی دھمکی کے پیشِ نظر قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا گیا۔ اعلان التوا کا مسودہ پیرزادہ بھٹو نے مل کر تیار کیا، اس پر یحییٰ سے دستخط لیے۔ (ص۵۴)

اسی دوران گنگا کے اغوا کا قصہ پیش آیا۔ بھٹو نے اغوا کرنے والوں کو قومی ہیرو قرار دے کر اپنی کارکردگی کے مضحکہ خیز ہونے کا ثبوت دیا۔ (ص۵۵)

اس عرصہ میں یحییٰ بھٹو پر زور دیتے رہے کہ وہ ڈھاکہ آئیں، لیکن وہ نہ ملتے اور ۲۱ مارچ کو اچانک ڈھاکہ پہونچ گئے (ص۵۸)

محترم قارئین!

ایک ذمہ دار اور راز دان کی طویل کتاب کے منتخب اقتباسات کی تلخیص آپ کی خدمت میں پیش کی گئی ہے جس کے بین السطور سے بہت کچھ ملتا ہے۔

اے کاش ہمیں پتہ چلتا کہ ہمارے ملک کا قاتل کون ہے؟ —

چٹ پر سرخ نشان
چندہ ختم
ہونے کی علامت ہے

---

[1] ترجمان القرآن مولانا ابوالکلام آزاد

عمیس الہاشمی

زبان میری ہے بات ان کی

سر کہنے والے سر ہی لے لیتے ہیں۔
وزیر اعلیٰ پنجاب (نوائے وقت ۱۹ر اگست ۱۹۷۵ء)

بالکل بجا فرمایا! انگریز سرکار کو سر کہنے والے گروہ نے جاگیروں کے عوض اپنے بھائیوں کے سر طشتریوں میں رکھ کر پیش کئے تھے۔

جنرل نیازی کو فوج سے الگ کر دیا گیا
ایک خبر (نوائے وقت ۱۹ر اگست ۱۹۷۵ء)

مگر کیوں؟ اگر وجہ سانحہ مشرقی پاکستان ہے تو اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں۔

سات غیر ملکی باشندوں کے قبضے سے ایک کروڑ روپے کی چرس برآمد ہوئی۔
(نوائے وقت ۲۰ر اگست)

خبر نامکمل ہے! کیا ادارۂ تفتیش یہ بتانے کی زحمت گوارا کرے گا کہ وہ چرس کہاں سے حاصل ہوئی؟ اور اب کہاں ہے؟ غیر ملکیوں کو کتنی رشوت کے عوض اس "پریشانی" سے نجات دی۔ نوازش ہو گی۔

پاکستان میں جمہوریت کا مستقبل محفوظ کر دیا گیا ہے۔ رفیع رضا (نوائے وقت ۲۰ر اگست)۔

لاریب! مگر صاحب یہ تو بتائیے کہ وہ آہنی بکس جس میں جمہوریت کو محفوظ کیا گیا ہے بحیرۂ عرب میں چھوڑا گیا ہے یا کہ خلیج بنگال میں۔

پاکستان اور بنگلہ دیش قریب ہو جائیں گے۔ ایک خبر (نوائے وقت)

مگر اس کی صورت کیا ہو گی؟ کیا ایک ہزار میل کا بھارت ختم ہو جائے گا۔ یا بھارت پاکستان اور بنگلہ دیش کی صورت اختیار کرے گا۔

بنگلہ دیش کے عوام کو ایک ہٹ دھرم اور آمر سے نجات ملی ہے۔
اصغر خاں (نوائے وقت۔ ۲۱ر اگست)

اگر ہمارا حافظہ ہمارا ساتھ نہیں چھوڑتا تو یاد پڑتا ہے کہ آپ نے شیخ صاحب کی زندگی میں ایسا کوئی کلمۂ خیر نہیں فرمایا۔ بلکہ ایک عرصہ تک ان کو تسلیم کرانے کی مہم سر کرتے رہے۔ بہر حال آپ کے پاس زبان بھی ہے اور استعمال کرنے کی قوت بھی۔ پھر جیسے آپ کا جی چاہے۔

"میرے ملک کا نام عوامی جمہوریہ بنگلہ دیش ہے۔"
(بھارت میں بنگلہ دیشی ہائی کمشنر کا بیان) نوائے وقت۔ ۲۱ر اگست۔

چند روز اور صبر کرتے یار لوگوں نے تو آپ کے انقلاب کو اسلام کی فتح اور سیکولرزم کی موت قرار دے دیا تھا۔ اب نہ جانے بے چاروں کے دلوں پر کیا بیت رہی ہو گی؟

ملتان میں معصوم بچے کو ہلاک کر دیا گیا
ایک خبر (نوائے وقت ۲۱ر اگست)

ہو سکتا ہے آجکل بچے بھی گنہ گار ہونے لگے ہوں۔ ویسے ہم نے تو یہی سنا تھا کہ بچے معصوم ہی ہوتے ہیں۔ لیکن بچے کے ساتھ لفظ معصوم کا استعمال اس بات کا ثبوت ہے کہ اب ہر بچہ معصوم نہیں رہا یا شائد ملتان میں اس قسم کا معاملہ ہو۔ خدا خیر کرے۔

نوجوان نے مذاق سے منع کرنے پر عورت کے چاقو گھونپ دیا۔
ایک خبر۔ (نوائے وقت ۲۱ر اگست)

آہ بیچاری عورت! منع کرتے تو جان کا خاتمہ نہ کرے تو عزت کا۔

امریکہ نے بھی بنگلہ دیش کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔
نوائے وقت۔ (۲۲ر اگست)

اس کے بعد باقی کیا رہ جاتا ہے؟ امریکہ جسے تسلیم کرے اس کے پو بارہ ہیں لیکن صدر مشتاق احمد کھنڈکر کو اس سلسلے میں جنوبی ویت نام، کمبوڈیا اور اسرائیل کے انجام بد کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

"دیر کے علاقے میں افغان فوج کا حملہ پسپا کر دیا گیا۔"
"خانِ اعظم" کا ایک اور انکشاف: نوائے وقت ۲۲ر اگست۔

سرحد کے "مردِ آہن" عبدالقیوم خاں جو مغالطہ آمیزی میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں "نیشنل عوامی پارٹی" اور "پیپلز پارٹی" میں اختلافات کی

خلیج وسیع کرنے کے بعد آجکل افغانستان اور پاکستان میں غلط فہمی کی دیوار چننے میں مصروف ہیں اور آئے دن انکشافات کرتے رہتے ہیں۔ مندرجہ بالا انکشاف میں بھی اسی دیوار کی تعمیری اینٹ اور گارے کے طور پر استعمال ہوگا۔

مولانا نورانی نے متحدہ جمہوری محاذ کے فیصلے کے خلاف سینٹ کا انتخاب لڑا تھا۔

پروفیسر عبدالغفور

مولانا نورانی نے متحدہ جمہوری محاذ کی رضامندی سے سینٹ کا انتخاب لڑا تھا۔

جمعیۃ علماء پاکستان کا جواب

کون صحیح ہے اور کون غلط یہ تو خدا ہی بہتر جانے۔ لیکن ہمیں ہر حال میں محاذ کا اتحاد عزیز ہے۔ خدا کرے کوئی بہتر صورت نکل آئے۔

میں نے واٹر گیٹ سکینڈل کو چھپانے کی کوشش نہیں کی۔

نکسن (مشرق)

جناب نکسن تھوڑی سی ترمیم کر لیں۔ چھپانے کی کوشش کی تو تھی لیکن بات بن نہ سکی اور اگر پاکستان ہوتا تو شائد بات بھی بن جاتی۔

ہر شہری کو وزیراعظم بھٹو کی تقلید کرنی چاہیے۔

سپیکر پنجاب اسمبلی کی ہدایت: مشرق

جی ہاں! احکام خداوندی، ارشادات نبوی اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بزرگان دین کی پیروی تو کر چکے۔ اب بھٹو کی پیروی کی ہی کسر باقی رہ گئی ہے۔ سو وہ آپ پوری کر لیں۔ قوم کی طرف سے فرض کفایہ ادا ہو جائے گا۔

بیرونی دنیا میں پاکستان کا وقار بلند ہو گیا ہے

(وفاقی وزیر قانون)

خصوصاً جمہوری ممالک میں تو پاکستان کا وقار بہت ہی زیادہ بلند ہو گیا ہو گا چونکہ جس طرح پاکستان میں جمہوریت کو فروغ دیا جارہا ہے وہ شاید و باید !!

جامعہ نعیمیہ کو اوقاف فنڈ سے پانچ ہزار روپے کا عطیہ۔ (مشرق)

شاید یہ ان خدمات کا صلہ ہو جو جامعہ نعیمیہ کے فاضل مہتمم نے اسلام اور سوشلزم کی جنگ کے دوران اسلام کی وکالت کا حق ادا کرتے ہوئے انجام دی تھیں۔

تربیلا بند کی مرمت کے لیے ۸۰ لاکھ ڈالر کا قرضہ۔ (ایک خبر)

یہ قرضہ کن کن ہاتھوں سے گزر کر مرمت کے کام پر صرف ہو گا!! کاش اس کی بھی وضاحت کر دی جائے۔

بھارت یک طرفہ طور پر مقبوضہ کشمیر کی متنازعہ حیثیت ختم نہیں کر سکتا۔

(ایک بیان)

اس میں کسے شک ہے!! بھارت کو اس سلسلہ میں عوامی حکومت کا تعاون حاصل کرنا ہو گا۔ جس کی بنیاد شملہ کی مرطوب فضاؤں اور خوشگوار ہواؤں میں رکھ دی گئی ہے!!

سیمنٹ کی پیداوار میں سالانہ پندرہ لاکھ ٹن اضافہ کرنے کا منصوبہ۔

(ایک خبر)

منصوبہ، منصوبہ ہی رہے گا یا اس کی تکمیل بھی ہو گی؟

اعلانِ داخلہ

دارالعلوم خضریہ محلہ پراچگان بھیرہ میں داخلہ ۵ شوال سے ۲۰ شوال تک رہے گا۔ جلدی داخلہ لے لیں۔ طلبہ کی جملہ ضروریات کا مدرسہ کفیل ہے اس لیے اہل خیر سے تعاون کی درخواست ہے۔

جلال الدین ناظم اعلیٰ دارالعلوم خضریہ بھیرہ

بقیہ صفحہ ۶ سے پیوستہ

کو مالا مال کرنے اور ان کے مابین باہمی مفاہمت کو فروغ دینے کے بڑھتے ہوئے مطالبوں کو پورا کیا جا سکے گا۔ اس سلسلہ میں ہر ریاست کے قوانین اور کسی کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کے اصول کی دیانت داری کے ساتھ پابندی کی جائے گی۔

ہیلسنکی کانفرنس کا اصل کام صرف یہی نہیں تھا کہ وہ امن اور جنگ کے مابین ایک ناقابل عبور رکاوٹ کھڑی کر دے، بلکہ اس کا کام اس سوال کا جواب بھی فراہم کرنا تھا کہ یہ امن کس قسم کا ہونا چاہیے؟ کانفرنس کے تمام شرکا اس اہم بات پر متفق ہو چکے ہیں کہ بین الریاستی سیاسی باہمی تعاون اور پرامن بقائے باہمی کے اصولوں کی بنیاد پر معمول کے مطابق تعلقات کے قیام کی جو تبدیلی آئی ہے اس کو مستحکم بنانے کی ضرورت ہے۔

اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہیلسنکی کانفرنس کی تکمیل اس تقسیم کی نفی نہیں کرتی جس نے یورپ کو مخالف فوجی سیاسی گروہ بندیوں میں بانٹ رکھا ہے اور نہ ہتھیاروں کے وہ ذخیرے ہی ختم ہوئے جو یہاں پہلے سے موجود ہیں، لیکن سوشلسٹ اور سرمایہ دار ملکوں کے مابین تعلقات میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کی اہمیت اس امر میں پوشیدہ ہے کہ ان تبدیلیوں نے یورپ کو سرد جنگ کی اندھی گلی سے نکال کر سیاسی مفاہمت کی کشادہ راہ پر ڈال دیا ہے۔

کیا ہیلسنکی کانفرنس کے نتائج اور پرامن بقائے باہمی کے اصولوں کی ترتیب ایک حقیقی تاریخی کامیابی ہے؟۔

کیا یورپی امن کا منشور جس نے دنیا کے پانچویں حصے کو خطہ امن میں تبدیل کر دیا ہے۔ مفاہمت کے مزید پھیلاؤ اور دیگر براعظموں اور خطوں میں پرامن تعلقات کے قیام کی مشترکہ طور پر راہیں تلاش کرنے کی ہمت افزائی کا ذریعہ ثابت ہو گا۔؟۔

علامہ خالد محمود، مانچسٹر

امیر شریعت
سید عطاء اللہ شاہ بخاری
رحمۃ اللہ علیہ

پہلی جنگِ عظیم کے خاتمے پر سیاست میں قدم رکھا۔ برطانوی سامراج اور فرنگی سیاست پر گہری نظر تھی۔ "الہلال" اور "ستارۂ صبح" نے فکر کی تعمیر کی اور اکابر دیوبندؒ نے ذہن کو جلا بخشی انگریز سے اتنے متنفر تھے کہ ولایتی نسل کی مرغی اور انڈے تک کو ناپسند کرتے، فرماتے تھے کہ یہ انتساب بھی مجھ پر گراں گزرتا ہے۔ مرزائیت کی مخالفت بھی دراصل ان کی انگریز دشمنی کا انعکاس تھا۔ یہ درست ہے کہ ختم نبوت اسلام کا مرکزی اور بنیادی عقیدہ ہے، لیکن وہ مرزائیت کے مخالف زیادہ تر اس لیے تھے کہ یہ انگریز کا ایک خود کاشتہ پودہ ہے جس کا مقصد مسلمانوں کے جذبۂ حریت کو دبانا اور انگریزی عملداری کو خدا کا سایۂ رحمت قرار دینا تھا۔ شاہ صاحب اس فرنگی سازش سے یہاں تک متنفر تھے کہ مرزائیت کی تردید پوری زندگی کا موضوع بن گیا۔ اور پھر پوری زندگی اس میں صرف کر دی۔ انگریز کے خلاف وہ مجلس احرار کے داعی تھے تو آزادیٔ وطن کے بعد وہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے صدر تھے ——— ؟

شجرِ اُمّت ؐ سے پیوستگی

صرف علماء میں یہ عزت تھی کہ محدثِ عصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ، مفتی اقلیم ہند مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور قطبِ وقت حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ایسے بزرگوں نے آپ کو امیر شریعت تسلیم کیا۔ اور آپ کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کی۔ پاک و ہند کا یہ، بلکہ ایشیا کا یہ خطیبِ اعظم اپنی سحر بیانی، اور طاقت لسانی سے عوامی نفسیات کا بھی بلا شرکتِ غیرے مالک تھا۔ تاہم آپ نے مقتداء، مفسر اور مفتی کے انداز میں اظہارِ شخصیت سے ہمیشہ گریز کیا۔ آپ کی سیاسی بصیرت کا فیصلہ تھا کہ ہندوستان میں تفسیروں، فتووں اور اختلافی مسائل و آراء کی پہلے ہی کمی نہیں۔ دبے ہوئے اختلافات کو اچھالنا اور ایک نئے مکتب فکر کی بنیاد ڈالنا پرانے فرقوں میں ایک نئے فرقے کا اضافہ تو ہے، مسلمانوں کی کوئی خدمت نہیں، بلکہ ان پر ایک ظلم ہے جبکہ پچھلوں سے انتساب سے تفسیر و فقہ کا بیان فرقہ آرائی نہیں، شجرِ امت سے پیوستگی ہے۔

تحریک آزادی کے پلیٹ فارم پر آپ کے ساتھ شیعہ، سُنی، اہلِ حدیث، حنفی، دیوبندی، بریلوی سب مکاتب فکر جمع تھے۔ آپ کی رائے تھی کہ مکاتب فکر سے اشتراک کیا جائے، لیکن اس بات کی بھی بھرپور کوشش کی جائے کہ کوئی نیا مکتب فکر یا فرقہ نہ بننے پائے۔ آپ کی یہ خواہش تھی کہ قرآن و سنت کی تعبیر و تشریح میں نئی اختلافی راہیں نہ نکالی جائیں اور جو اختلافات کتابوں میں سوئے ہوئے ہیں اور موجودہ دور میں عملاً موجود نہیں انہیں کتابوں سے اچھال اچھال کر نئے سرے سے زندہ نہ کیا جائے۔

علماء دین پر اعتماد

آپ کہا کرتے تھے کہ زمانہ حال کے مفکرین نے پرانے اختلافات ابھار ابھار کر جو نئے مکاتبِ فکر سامنے لا کھڑے کیے ہیں اس نئی گروہبندی سے فرقوں میں ایک نئے فرقے کے اضافے کے سوا مسلمانوں کو کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اگر یہ "مفکرین" اپنی سرگرمیاں سیاسی تعمیر و عملی خدمات تک محدود رکھتے۔ "رسائل و مسائل" کی خاردار وادی میں نہ اترتے تو ان کا وجود مسلمانوں کے لیے سود مند ہوتا۔ آپ نے خود اس امر کی کوشش کی کہ نئے مفکرِ، مفسر اور مفتی کے جلوے میں کبھی جلوہ گر نہ ہوں۔ جب بھی مسائل کی نوبت آتی آپ اکابر علماء کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے اور انہی علما کی طرف متوجہ کرتے جو پہلے علماء اور سلفِ صالحین سے انتساب رکھتے ہوں۔ آپ کی رائے تھی کہ قلعہ اسلام کے لیے علماء دین کے اعتماد کو قائم رکھنا از حد ضروری ہے۔ اس اعتماد کے رہتے ہوئے کوئی زندقہ و الحاد راہ نہیں پا سکتا۔ ایک عدالت میں آپ سے پوچھا گیا کہ مرزا غلام احمد کو اسلام سے خارج کیوں سمجھتے ہو؟ آپ اس کے جواب میں ختم نبوت اور مرزا غلام احمد کے عقاید و سیرت پر بڑی مفصل بحث کر سکتے تھے، لیکن آپ نے اس کی بجائے یہ جواب دیا:

"اکابر علماء جن پر امت کے تمام

فرقوں کا اعتماد ہے مرزا غلام احمد کو اجماعاً کافر قرار دیتے ہیں۔ مَیں علمائے دیوبند کے مسلک پر ہوں اور وہ مرزا غلام احمد کو اس کے عقاید کی وجہ سے مسلمان نہیں سمجھتے۔"

اخلاص و انکساری

شجاعت سے پیوستگی آپ کے ایمان کی دولت تھی۔ اخلاص و انکساری نے انا و لاغیری کی جاہلی آگ بالکل بجھا رکھی تھی۔ آپ اپنے جماعتی سربراہوں کے فیصلوں کی مجسم تعمیل تھے۔ حضرت اقدس حضرت رائے پوری رح کے حلقہ ارادت نے آپ کے اخلاص و انکسار کو اور نکھار دیا تھا۔ آپ پر آپ کی جماعت کے کسی نئے یا پرانے کارکن نے ڈکٹیٹر یا آمر ہونے کا کبھی الزام نہیں لگایا علم اور منصبی ذمہ داری میں آپ نے جس کو بڑا سمجھا اس کے حکم کی تعمیل سے آپ نے کبھی انحراف نہ کیا۔ اکابر کی تعظیم و توقیر آپ کی روح کی پکار اور آپ کے عمل کی منہاج تھی۔

سیرت و کردار کا دلکش پہلو!

آپ کی سیرت کا یہ پہلو بھی بہت دلکش ہے کہ آپ نے اپنے چھوٹوں کو خوب ابھارا ان کی اچھی طرح تربیت کی۔ معرکتہ الآراء جلسوں میں انہیں تقریر و جراءت کی داد دی۔ کمزوروں کے حوصلے بڑھائے گمنام گوشوں کو روشنی بخشی اور اپنے رضاکاروں تک کو سلامی دی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ربع صدی میں آپ کے گرد ایسے مقررین کا حلقہ بندھ گیا تھا جو اپنے اپنے انداز میں بلاغت و خطابت کے نہایت روشن ستارے تھے۔ شاہ صاحب کی ایک ایک تقریر سے ان کی بیسیوں تقریریں بنتیں اور شاہ صاحب کے الفاظ اور ان کی خطیبانہ ادائیں جملوں اور انداز میں اترتیں یوں محسوس ہوتا کہ شاہ جی پر ان کے وسیع حلقوں میں محبوبیت کی تجلی پوری طرح جلوہ ریز ہے۔ ملک کے ہر گوشے اور ہر علاقے میں اب تک آپ کے ایسے جانثار موجود ہیں جن کے دل کی دھڑکنوں پر ابھی تک شاہ جی کا ہاتھ ہے اور جن کی قربانیوں کی صدائے بازگشت اب بھی جلسوں جلوسوں اور دینی و سیاسی اجتماعات میں سنی جاتی ہے ——

خطیبانہ شہ پارے!

وفاداری کے طالب ۱۹۴۸ء

مَیں نے جو کچھ کیا اللہ اور اس کے رسول کے لیے کیا۔ مجھے ایک لحظہ کے لیے بھی اپنی کسی حرکت پر ندامت نہیں۔ میرا دماغ غلطی کر سکتا ہے، لیکن میرے دل نے کبھی غلطی نہیں کی۔ مجھ سے وفاداری کا ثبوت مانگنے والے پہلے اللہ اور اس کے رسول کو اپنی وفاداری کا ثبوت دیں۔ مَیں ان لوگوں میں نہیں جو انسانی ضمیر کی سوداگری کرتے ہیں۔ مَیں اس شخص کو دھوپ اور چھاؤں کی اولاد سمجھتا ہوں جو قوم کو بیچتا پھرتا ہے، ملک سے غداری کرتا اور جس ہنڈیا میں کھاتا ہے اسی میں چھید ڈالتا ہے۔ مَیں نے صرف ایک اللہ کے سامنے جھکنا سیکھا ہے مَیں ان لوگوں کا وارث نہیں جنہوں نے درباروں کی دہلیزیں چاٹی ہیں، مَیں ان لوگوں کا وارث ہوں جو شہادت کے راستہ میں سروں کو ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں۔؟

پاکستان کی حفاظت ۱۹۵۲ء

مَیں ان لوگوں میں سے نہیں جو یہ صدا دیتے پھریں کہ مَیں توشۂ وفاداری لیے پھرتا ہوں میری انگلی پکڑ کر اپنے ساتھ لے چلو اور جس مقتل میں چاہو مجھے ذبح کر دو۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا، ہرگز نہیں ہوگا۔ میری خوشی بیکراں ہے کہ اس ملک سے انگریز نکل گیا۔ مَیں دنیا کے کسی حصّہ میں بھی سامراج کو دیکھ نہیں سکتا۔ مَیں اس کو قرآن اور اسلام کے خلاف سمجھتا ہوں۔ تم میری رائے کو خود فروشی کا نام نہ دو، میری رائے ہار گئی اور اس کہانی کو یہیں ختم کر دو، اب پاکستان نے جب بھی پکارا واللہ باللہ! مَیں اس کے ذرہ ذرہ کی حفاظت کروں گا۔ مجھے یہ اتنا ہی عزیز ہے جتنا کوئی اور دعوے کر سکتا ہے —— مَیں قول کا نہیں عمل کا آدمی ہوں اس طرف کسی نے آنکھ اٹھائی تو وہ پھوڑ دی جائے گی، کسی نے ہاتھ اٹھایا تو وہ کاٹ دیا جائے گا! مَیں اس وطن اور اس کی عزت کے مقابلے میں نہ اپنی جان عزیز رکھتا ہوں نہ اولاد۔ میرا خون پہلے بھی تمہارا تھا اب بھی تمہارا ہے۔

ختم نبوت کا سپاہی ۱۹۵۰ء

ختم نبوت کی حفاظت میرا جزو ایمان ہے جو شخص بھی اس ردا کو چوری کرے گا، جی نہیں چوری کا حوصلہ کرے گا مَیں اس کے گریبان کی دھجیاں پھاڑ دوں گا۔ مَیں میاںؐ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہ جی میاں کہا کرتے تھے) کے سوا کسی کا نہیں نہ اپنا نہ پرایا۔ مَیں انہیں کا ہوں وہی میرے ہیں۔ جس کے حسن و جمال کو خود ربِ کعبہ نے قسمیں کھا کھا کر آراستہ کیا ہو مَیں ان کے حسن و جمال پر نہ مر مٹوں تو لعنت ہے مجھ پر اور ان پر جو ان کا نام تو لیتے ہیں لیکن سارقوں کی خیرہ چشمی کا تماشا دیکھتے ہیں۔

لاہور کے تماشائی ۱۹۳۸ء

صدر محترم اور تماشائی بھائیو! لاہور آئے ہوئے مجھے بیس سال ہو گئے ہیں۔ مَیں بوڑھا ہو گیا ہوں، بال سفید ہو چکے ہیں۔ آج تک مجھے یہ پتہ نہیں چلا کہ آپ ہیں کیا؟ غوث ہیں، قطب ہیں، ابدال ہیں، ولی ہیں کیا ہیں؟ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ آپ کو کس خطاب سے مخاطب کروں۔ کیا میری بیوی کے حق مہر میں جیل جانا لکھا ہے؟ اگر تم نہیں چاہتے کہ ہم تمہارے سامنے آئیں تو پھر تم کیوں ہمارے سامنے آتے ہو؟ کٹی کرنی ہے تو پکی کر لو۔ یہ کیا کہ عطاء اللہ نے تقریر کی، تم نے کہا واہ شاہ جی واہ، عطاء اللہ ہو گیا قید تم نے کہا آہ شاہ جی آہ۔ تمہاری آہ اور واہ میں شاہ جی ہو گئے تباہ۔

محمد یوسف ولی اللّٰہی ۔

سیاسی عمل
اور
فرقہ واریت

سیاسی عمل میں فرقہ وارانہ ذہن انتہائی نقصان دہ ہوتا ہے۔ سیاسی عمل کے لیے جو قربانی دی جاتی ہے۔ وہ فرقہ واریت کے عمل سے ضائع ہو جاتی ہے، کیونکہ فرقہ وارانہ انداز فکر سے تعصب، مقابلہ اور مخالفت کا غیر مرئی جذبہ پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے دو گروہ یا فرقے کبھی بھی ایک جگہ پہ اکٹھے نہیں ہو سکتے بلکہ فسادات کی راہ ہموار ہوتی ہے جو مل بیٹھنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، جب ایک گروہ فرقہ وارانہ اندازِ فکر سے شور و غوغا بلند کرتا ہے تو لامحالہ دوسرے گروہ میں بھی رگِ فرقہ واریت پھڑک اٹھتی ہے یا پھڑکائی جاتی ہے۔

چنانچہ جونہی کوئی معمولی سا حادثہ بھی پیش آجاتا ہے تو پورا معاشرہ فوراً جہنم کدہ بن جاتا ہے اور ہر طرف سے ایک شورِ بے ہنگام اٹھتا ہے

اس فرقہ وارانہ جنگ میں باطل اور ظالم قوتیں بھرپور فایدہ اٹھاتی ہیں۔ ان کی طرف سے مزید کوئی شوشہ جلتی پر تیل کا کام کرتا ہے۔ اسی لیے انگریز نے ہندوستان میں فرقہ واریت کا بیج بویا (کیونکہ اس کے معروف زمانہ بدترین اصول "لڑاؤ اور حکومت کرو" کو فرقہ واریت سے ہی استحکام مل سکتا تھا) تاکہ یہاں کے عوام اپنی اصل طاقت فرقہ وارانہ جنگ میں ضائع کرتے رہیں۔ اور انگریز سامراج کے خلاف انہیں کوئی قدم اٹھانے کا موقع نہ مل سکے۔ نتیجتہً یہاں کے عوام سیاسی اور اقتصادی طور پر کمزور ہوتے گئے اور بالکل مفلوج ہو کر رہ گئے، بلکہ انگریز کے دستِ نگر اور آلۂ کار بن گئے اور یہ صرف اس لیے ہوا کہ انگریز نے ہندوستانی عوام کو فرقہ وارانہ جنگ میں مصروف رکھ کر اس سے سیاسی عمل کی قوت سلب کر لی۔ جس کی وجہ سے عوام انگریز کے ظلم کا ایک طویل مدت تک نشانہ بنتے رہے۔

انقلاباتِ عالم پر نگاہ ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی عمل کو فرقہ واریت سے بچا کر رکھنے ہی سے کامیابی نصیب ہو سکتی ہے۔ دور نہ جائیے، ہندوستان ہی میں دیکھ لیجیے۔ ہمارے اکابرین خصوصاً حضرت شیخ الہندؒ حضرت مولانا محمود حسن، حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے تمام فرقوں کو ملا کر آزادی کی جنگ لڑی۔ اسی لیے حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ فرماتے ہیں:

> " پولیٹیکل میدان میں فرقہ پرستی ملک کے لیے بھی اور ملت کے لیے بھی زہر قاتل ہے۔ صرف ایسی فرقہ وارانہ جماعتیں ہونی چاہئیں جو مذہبی، تعلیمی اور تمدنی معاملات سے متعلق ہوں۔ یہ خانہ ضروری ہے اس کو لازماً بھرنا چاہیے۔
>
> میں زیادہ واضح الفاظ میں کہنا چاہتا ہوں کہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے انہیں ہندوستان کے آسمان کی اس نیلی چھت کے نیچے فرقہ پرستی کا نظام نہیں رکھنا چاہیے۔ یہ میرا سوچا سمجھا ہوا مشورہ ہے۔ ملک کے موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے اس ملک کے مستقبل کی خاطر یہ ضروری ہو گیا ہے کہ فرقہ پرستی جو مذہب کے نام سے ابھاری گئی ہے، ملک کی سیاسی زندگی سے نکال دی جائے"

(کتاب۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے پاک و ہند و بنگلہ دیش کے بارہ میں کیا کہا؟ صفحہ ۱۱۰، مرتبہ ڈاکٹر احمد حسین کمال)

فرقہ واریت کے لیے تعلیمی اور تبلیغی میدان موجود ہے جن کے ذریعہ سے مسلمانوں کو صحیح عقاید اور مذہب کی تعلیم دی جانی چاہیے۔ مکاتیب و مدارس تبلیغی اور تعلیمی پلیٹ فارم ہونے چاہئیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ بحیثیتِ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے جب طلباء کو تعلیم دیتے ہیں تو عقائدِ باطلہ کی تردید کر کے عقائدِ اسلام کی حفاظت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اتباعِ سنت کی راہ بتلاتے

ہوئے اہل بدعت سے اجتناب کی تعلیم دیتے ہیں، لیکن سیاسی پلیٹ فارم پر انہیں تمام فرقوں کو ملا کر انگریز کے خلاف سیاسی جنگ لڑتے ہیں۔ یہی طریق ہمارے دوسرے اسلاف رو اپناتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اگر آج یہ کہا جائے کہ فرقہ وارانہ اندازِ فکر پولیٹیکل جدوجہد میں قطعاً مفید نہیں تو آواز آتی ہے کہ ہم اپنے فرقے کا تشخص ختم نہیں ہونے دیں گے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ملک میں دوسرے اتنے سارے اہم مسائل جن کا تعلق کلیتہً مذہب کے ساتھ ہے، کا بھی کوئی فکر ہے؟ دین و مذہب کے لحاظ سے کتنی ہی ناپسندیدہ چیزیں آج ملک میں رائج ہیں۔ اقتصادی اور معاشرتی مسائل کس قدر الجھے ہوئے ہیں۔ کیا ان مسائل کے ہوتے ہوئے بھی ہمیں فرقہ واریت ہی سوجھتی ہے؟ پھر یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ ہم تو فرقہ وارانہ مسائل میں الجھے رہیں اور یہاں کے غریب مسلمان اسلامی نظام کے انقلاب سے مایوس ہو کر اور مظلومیت کا دور گزار کر دہریہ ہو جائیں اور سوشلسٹ نظام قبول کر لیں یا مغربی سامراجی نظام کے عادی ہونے کی وجہ سے ہمارا ساتھ چھوڑ جائیں۔ ہم فرقہ وارانہ جنگ سے فرصت پائیں تو اس عظیم گروہ کی مدد کر سکیں۔ ہم تو اپنی قوتیں اور صلاحیتیں فرقہ واریت کے محاذ پر صرف کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح اگر ہم اپنے مذہبی احساسات کو اقتدار کی خوشنودی کے لیے قربان کر دیں تو کیا پھر مذہب کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا؟

ہمیں چاہیے تو یہ تھا کہ ہم اختلافی مسائل اور فرقہ واریت میں الجھنے کی بجائے ان مسائل پر توجہ دیتے جو انتہائی اہم ہیں جن میں گھری ہوئی انسانیت سسک رہی ہے، لیکن ہم نے بالکل اس کے الٹ کیا۔ ہم نے اپنے آپ کو غیر ضروری مسائل اور بحثوں میں الجھائے رکھا۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

تفکّروا فی خلق اللّٰہ
ولا تفکّروا فی اللّٰہ

یعنی پروردگار کی ذات کے بارے میں غور و فکر نہ کرو، خدا کی مخلوق کے بارے میں غور و فکر کرو۔

معلوم ہوا کہ انسان کو اپنا وقت ان مسائل پر ضائع نہیں کرنا چاہیے جس سے مخلوق کو کوئی فائدہ نہ پہونچتا ہو۔ بے شک نقصان بھی نہ ہوتا ہو، لیکن پھر بھی لایعنی مسائل میں پڑنے کی بجائے مخلوقِ خدا کی بہتری کے لیے غور و فکر ضروری ہے۔ عوام کے مسائل حل کرنے میں دلچسپی لینی چاہیے۔

چونکہ ہم اپنی قوتیں فرقہ وارانہ محاذ پر صرف کرتے رہتے ہیں، نتیجتہً سیاسی اقتدار اور قوت کے محاذ کو خالی دیکھ کر باطل نظام اس پر قابض ہو جاتا ہے اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب تک بے دینی اور ظلم کا نظام برسرِ اقتدار رہے گا اس وقت تک کوئی بھی فتنہ ختم نہیں ہو سکتا۔ یہی باطل نظام انہیں ہر قسم کا تحفظ دیتا ہے اور دیتا رہے گا، کیونکہ باطل نظام نے ہی ان فرقوں کو جنم دے رکھا ہے۔ لہذا باطل فرقوں کو ختم کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس نظام کو ختم کر دیا جائے۔ جو ان باطل فرقوں کو تحفظ دیتا ہے۔ نہ نو من تیل ہوگا، نہ رادھا ناچے۔ نیز نہ رہے کا بانس اور نہ بجے گی بانسری۔

اگر ہم براہ راست باطل فرقوں کے خلاف اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو صرف کرتے رہے تو ان کو ختم نہیں کیا جا سکے گا، بلکہ مزید باطل فرقے جنم لیتے رہیں گے۔ ان سے نجات کا واحد طریقہ مظلوم و غریب عوام کو بیدار کرنے کے بعد ان کو منظم کر کے سیاسی قوت حاصل کی جائے۔ جونہی سیاسی قوت حاصل ہو جائے گی اور وہ باطل نظام ختم ہو جائے گا جس کے زیر سایہ باطل فرقے پرورش پا رہے ہیں، تو یہ باطل فرقے خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ بکرے کو کچھ نہ کہو بکرے کی ماں کی خبر لو۔ ایک بکرا ذبح کرو گے تو کئی اور بکرے جنم لے لیں گے۔ اسی طرح اگر ہم نے ان فرقوں کو تو ختم کرنے کی کوشش کی، لیکن ظالم و باطل اقتدار ختم کرنے کی کوشش نہ کی تو ہم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

ہمارا اصل دشمن وہ شخص ہے جو اسلامی انقلاب کی راہ میں حائل ہوتا ہے خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو، اگر ایک سرمایہ دار، جاگیردار اور سامراجی ذہن رکھنے والا «دین دار» ہمیں مسجد میں سیاسی انقلابی عمل بیان نہیں کرنے دیتا تو وہ بھی ہمارا اتنا ہی دشمن ہے، جتنا کہ کوئی باطل فرقہ ـــــ پھر وہ بھی اتنا ہی خطرناک ہے جو جنگ آزادی میں انگریز کا ساتھی رہا جس نے کعبہ پر گولیاں برسوائیں اور تعویذ لکھ لکھ کر دیئے، جو آج بھی مظلوم عوام کو ظلم کی چکی میں پستے رہنا دینا چاہتے ہیں، جتنا کہ کوئی باطل فرقہ۔ ـــــ

ـــــ کیونکہ دونوں کے عمل میں کوئی فرق نہیں ایک ہی سیاسی اور عملی وحدت ہے۔

دراصل فرقہ وارانہ اندازِ فکر غلامی (جو تنگ نظری پیدا کرتی ہے) کی وجہ سے ہے۔ انگریز اگرچہ خود تو چلا گیا، لیکن اس کا قائم مقام ذہن اب بھی موجود ہے جس کی وجہ سے ہماری ذہنیت ابھی تک غلامانہ ہے۔

فکر و نظر میں ہم غلام ہیں

لہذا اس غلامانہ ذہنیت کی وجہ سے ہمارے اندر فرقہ وارانہ انداز فکر موجود ہے۔ قصہ کوتاہ۔

ا غلامانہ ذہنیت اور فرقہ وارانہ اندازِ فکر ختم کرنا ہوگا۔

ب اس نظام کو ختم کرنے کیلیے سیاسی قوت حاصل کرنا ہو گی جس نظام کے زیر اثر باطل فرقے پروان چڑھتے ہیں اور اگر ہم نے ایسا نہ کیا، بلکہ سیاسی میدان میں فرقہ وارانہ ذہن رکھتے ہوئے یہ توقع رکھی کہ سیاسی قوت حاصل ہو جائے گی تو ع: ایں خیال است و محال است و جنوں۔

طلباء کی دُنیا

رپوٹنگ : محمد یوسف ولی اللّٰہی

پُرخلوص جدوجہد کامیابی کی ضمانت ہے

حافظ حسین احمد مرکزی نائب صدر جمعیۃ طلباء اسلام

موجودہ نظامِ تعلیم کی تبدیلی اشد ضروری ہے

: رانا شمشاد علی خاں صدر صوبہ پنجاب

مرکزی نائب صدر جناب حافظ حسین احمد (بلوچستان) نے اپنے ایک بیان میں جمعیۃ طلباء اسلام کے کارکنوں سے کہا ہے کہ آپ علماء حق کی رہنمائی میں غلبۂ اسلام کے لیے اپنی مساعیٔ جمیلہ جاری رکھیں۔ یقیناً وارثانِ انبیاء کی قیادت میں اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف جہاد کی راہ نہایت کٹھن ہے اور مصائب و مشکلات سے پُر ہے لیکن انشاء اللہ آپ نے اس عظیم مشن کی تکمیل کے لیے علماء حق کی قیادت میں پُرخلوص جدوجہد جاری رکھی تو کامیابی یقینی ہے۔

جمعیۃ طلباء اسلام صوبہ پنجاب کے صدر جناب رانا شمشاد علی خاں نے وزیر آباد (ضلع گوجرانوالہ) میں کہا کہ علماء کی قیادت کو قبول کرنا حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قیادت قبول کرنے کے مترادف ہے انھوں نے کہا کہ اس وقت ہمارے تعلیمی ادارے علم کے فروغ کی بجائے غنڈہ گردی کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں اور جمعیۃ طلباء اسلام تعلیمی اداروں کو صحیح طور پر اسلامی علوم کے زیورات سے مزیّن کرنا چاہتی ہے۔ ہمارا نصاب تعلیم غیر اسلامی ہے جو کہ ناقابل قبول ہے۔ ہم اس نظامِ تعلیم کو یکسر بدل کر اسلامی نظامِ تعلیم نافذ کرا کے ہی دم لیں گے کیونکہ اس نظامِ تعلیم کی تبدیلی اشد ضروری ہے۔

انھوں نے کہا کہ ہم پر بحیثیت انسان، مسلمان اور پاکستانی کے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اسلامی نظام کے غلبہ کے لیے بھرپور کوشش کریں۔ لہٰذا جمعیۃ طلباء اسلام اسلامی نظام کے غلبہ کے لیے بھرپور جدوجہد کر رہی ہے

اور یہ عزم کیے ہوئے ہے کہ جب تک اس ملک میں اسلامی نظام کا غلبہ نہیں ہوجاتا اس وقت تک سید شمس الدین شہید کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قربانیاں پیش کرتی رہے گی۔

اس کے لیے سب سے پہلے ملک میں سامراجی طاقتوں کا قائم کیا ہوا نظام ختم کرنا ضروری ہوگا۔

کارروائی اجلاس مجلس شوریٰ صوبہ سندھ

جمعیۃ طلباء اسلام صوبہ سندھ کی مجلسِ شوریٰ کا ایک ہنگامی اجلاس مورخہ ۱۴ر اگست ۷۵ء کو بعد نماز عشاء صوبائی صدر جناب سید عبدالغفور شاہ کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں ملکی صورتحال اور طلباء میں بڑھتی ہوئی بے چینی پر غور کیا گیا۔

اس کے علاوہ تنظیمی اور مالیاتی امور پر بھی غور کیا گیا۔ صوبہ سندھ میں تنظیمی کام تیز کرنے کے لیے درج ذیل کمیٹی تشکیل دی گئی جو ماہ شوال تک اپنی رپورٹ تیار کر کے صوبائی اجلاس میں پیش کرے گی۔

اراکین کمیٹی

جناب	سید عبدالغفور شاہ	ضلع دادو اور لاڑکانہ
،،	محمد بلال	ضلع خیرپور اور سانگھڑ
،،	بشیر احمد قریشی	،، بدین اور حیدرآباد
،،	محمد اقبال شیخ	،، ٹھٹھہ اور تھرپارکر
،،	محمد سلیم شاہد	،، نواب شاہ
،،	محمد اسلم شیخ	،، کراچی

فیصلے

۱۔ تمام شاخیں اپنی آمدنی کا ۱/۴ حصہ صوبہ کو روانہ کریں گی۔

۲۔ تمام شاخیں جلسۂ عام کے لیے مرکزی مجلسِ شوریٰ کے فیصلے کے مطابق صوبائی صدر سے اجازت حاصل کریں گی۔

۳۔ مجلسِ عاملہ صوبہ سندھ کی ماہوار میٹنگ ہر ماہ کے پہلے ہفتہ میں ہوگی۔

۴۔ ضلعی مجلسِ عاملہ کی ماہوار میٹنگ ہر ماہ پابندی سے ہوگی اور اس میں صوبائی رابطہ سیکرٹری جناب محمد بلال شرکت کیا کریں گے۔

اطلاعات برائے صوبہ سندھ

۱۔ سندھی لٹریچر شوال تک چھپ کر تیار ہوجائے گا۔ مطلوبہ لٹریچر کے لیے رقم ایڈوانس بھیج دیں۔

۲۔ تمام لٹریچر صوبائی دفتر حیدرآباد سے طلب کریں۔

۳۔ امتحانی "رزلٹ گزٹ" حاصل کرنے کے لیے درج ذیل سنٹر قائم کر دیے گئے ہیں تاکہ دور دراز کے علاقوں میں امتحانی گزٹ جلد سے جلد مہیا ہوسکیں ——— حیدرآباد۔ محراب پور شکارپور۔ تمام شاخیں اپنے شہر کے قریبی سنٹر سے گزٹ حاصل کر سکتی ہیں۔

تنظیمی دورہ

جمعیۃ طلباءِ اسلام صوبہ سندھ کے نائب صدر جناب عبدالسمیع نے گزشتہ دنوں ضلع سکھر، ضلع خیرپور کا تفصیلی دورہ کیا۔ ضلع سکھر کے دورہ کے دوران ان کے ہمراہ جناب محمد بلال صاحب بھی تھے

ضلع خیرپور کے دورہ کے دوران حضرت مولانا غلام قادر بھی تھے۔ انھوں نے پنو عاقل، گھوٹکی، عادل پور، شکارپور، خان پور، چک رستم سکھر خیرپور، پریالو، پیر جو گوٹھ، ہنگورجہ، ڈب مہر شاہ شاخوں کا دورہ کیا اور ان مقامات پر طلباء کے اجتماعات سے خطاب کیا۔

انھوں نے ان مقامات پر تربیتی پروگراموں پر زور دیا۔ نیز جمعیۃ طلباء اسلام کے کام پر کافی حد تک اطمینان کا اظہار بھی کیا۔

سالانہ اجلاس جمعیۃ خدام الاسلام

جمعیۃ خدام الاسلام پاکستان کا سالانہ اجلاس ۳۰ر جولائی کو حیدرآباد میں ہوا۔ صوبہ پنجاب سے قاری عبدالقدوس صاحب عابد نے بھی شرکت کی۔ اجلاس حاجی کرامت اللہ صاحب کی صدارت میں ہوا۔ جناب سید مظفر علی، جناب عبدالقدوس عابد اور جناب محمد حیات صاحب کے علاوہ صدر اجلاس نے بھی خطاب فرمایا سب حضرات نے ملک پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ پر زور دیا۔ جناب سید مظفر علی صاحب نے فرمایا کہ ہم اسلام کی بقا کے لیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے اور علماء حق کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے تن من دھن کی بازی لگا دیں گے۔

آخر میں مندرجہ ذیل انتخاب عمل میں آیا۔

صدر : جناب نور محمود راجپوت
نائب صدر : " عبدالقدوس اور جناب محمد یٰسین
جنرل سیکرٹری : جناب سید مظفر علی
سیکرٹری : جناب عمر دین اور جناب کرامت علی
خازن : " محمود علی
ناظم نشریات : " محمد عبدالقدیر اور جناب محمد ہارون
سالار : جناب محمد علی اور جناب اسلام الدین
آفس سیکرٹری : جناب محمد قمر

بستی عطا والی (جھنگ صدر)

گزشتہ دنوں بستی عطا والی (جھنگ صدر) میں ایک اجلاس زیر صدارت جناب عمر حمید (کنوینر حلقہ) ہوا۔

حضرت مولانا مفتی عبدالحلیم صاحب نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ طلباء اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی جدوجہد جاری رکھیں۔ اس راہ میں جو مصائب و مشکلات پیش آئیں انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کریں انھوں نے مزید کہا کہ طلباء نے علماء حق کی قیادت قبول کر کے انگریزی استعمار کی تمام سازشوں کو ختم کر کے رکھ دیا ہے۔ اور یہ ان طلباء کی بہت بڑی سعادت مندی ہے۔

اجلاس سے جناب محمد اقبال شروانی ناظم صوبہ پنجاب نے بھی خطاب کیا۔

رستم —— (ضلع سکھر)

گزشتہ دنوں صوبائی رابطہ سیکرٹری جناب محمد بلال صاحب اور جناب عبدالسمیع (نائب صدر سندھ) نے رستم کا دورہ کیا۔ مدرسہ دارالفیوض رستم میں مولانا عبدالحق کی زیر صدارت اجلاس کیا گیا۔ جناب عبدالسمیع نے جمعیۃ طلباء اسلام کا پروگرام اور علماء حق کے کارنامے کے عنوان سے خطاب کیا جناب محمد بلال نے اسلامی انقلاب لانے کے لیے طلباء کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔

گزشتہ دنوں رستم میں ایک اور میٹنگ بھی ہوئی جس میں جناب عبدالستار قریشی، جناب دین محمد قریشی۔ جناب عبدالغفار منہوار، جناب محمد صالح اور جناب بشیر احمد مہر نے خطاب کیا۔

عربی کلاس کا افتتاح

جمعیۃ طلباءِ اسلام پاکستان حلقہ مصطفےٰ آباد لاہور کے زیر اہتمام ۱۸ر اگست سے جامع مسجد نور (ایک مینار والی) گلستان کالونی مصطفےٰ آباد میں عربی کلاس شروع ہو چکی ہے

اس کا افتتاح حضرت مولانا محمد ابراہیم نے کیا تدریس کے فرائض حضرت مولانا غلام الرحمٰن انجام دے رہے ہیں۔

انتخابات

پریالو (سندھ)

صدر : جناب فضل اللہ داریجہ
نائب صدر : " عبدالماجد انڈھڑ
ناظم عمومی : " عبدالرشید میمن
ناظم : " غلام محمد میمن
ناظم مالیات : " عبدالقدیر میمن
ناظم نشریات : " عبداللطیف میمن
ناظم دفتر : " غلام مرتضیٰ قریشی

لورالائی (بلوچستان)

صدر : جناب امیر محمد
نائب صدر : " محمد اسماعیل
ناظم عمومی : " سید عبدالعزیز شاہ
خازن : " عبدالعلیم
ناظم دفتر : " محمد ارشاد

قائم پور (ضلع بہاولپور)

صدر : جناب محمد صدیق صدیقی گورنمنٹ ہائی سکول خیرپور
نائب صدر : " حافظ محمد شریف مدرسہ دارالقرآن عزیزیہ قائم پور
ناظم عمومی : " راؤ انعام الحق شاہد ہائی سکول خیرپور
ناظم : " رانا الطاف الرحمٰن جاوید قائم پور
خازن " فاروق احمد گورنمنٹ ہائی سکول حاصل پور

مسجد ابراہیم (بیت المقدس) کی بے حرمتی کی مذمت

یہودیوں کی طرف سے شعائر اسلامی کی توہین و تضحیک اور بے حرمتی پر مختلف مقامات سے جمعیۃ طلباءِ اسلام کے کارکنوں اور شاخوں نے مذمت کے بیانات بھیجے ہیں بیانات میں کہا گیا ہے کہ یہودیوں کی یہ سازشیں مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کے مترادف ہے، مسلمانوں کے جذبات برانگیختہ کرنیکی یہ جسارت خطرناک نتائج برآمد کر سکتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے مذہبی پیشواؤں، مقامات مقدسہ قابل احترام ناموں اور شخصیتوں کی تضحیک کسی بھی صورت مسلمان برداشت نہیں کر سکتے۔

شمولیت

گورنمنٹ کالج شورکوٹ روڈ کے جناب محمد شفیع صاحب نے اپنے ساتھیوں سمیت جمعیۃ طلباء اسلام میں شمولیت کا اعلان کیا ہے۔

ترتیب: قمر ہاشمی

جمعیتہ علماء اسلام کے کارکنوں کی گرفتاریاں بند کی جائیں

مولانا عبید اللہ انور کا شدید احتجاج

جمعیتہ علماء اسلام پنجاب کے امیر مولانا عبید اللہ انور نے گجرات کی پولیس کے اس رویہ پر شدید احتجاج کیا کہ وہ جمعیتہ علماء اسلام گجرات کے راہنماؤں مولانا عبد الرزاق، مولانا ضیاء اللہ شاہ اور مولانا محمد شریف احرار اور طالب علم لیڈر رانا شمشاد علی بعض تقریروں کے پیش نظر جو سیرت النبیؐ کے جلسہ میں کی گئیں، انہیں تنگ کر رہی ہے اور بعض لوگوں کو گرفتار بھی کر چکی ہے۔

بیان کے مطابق پولیس والے ان لوگوں کا ایف۔آئی۔آر تک دینے سے انکار کر رہے ہیں۔

مولانا نے مطالبہ کیا کہ حکام بالا اس صورت حال کا سختی سے نوٹس لیں اور پولیس کو ہدایت کریں کہ وہ اپنے رویے کی اصلاح کرے۔

یاد رہے کہ یہ جلسہ مسجد کے اندر ہوا اور ڈی۔سی گجرات کی باقاعدہ اجازت سے ہوا۔

گرفتاریوں کی مذمت

کوٹ اڈو بروز جمعرات عوام کی طرف سے کوٹ اڈو کے آر۔ ایم اور اے۔ سی کے اس رویے کی سختی کے ساتھ مذمت کی جاتی ہے کہ انہوں نے یوم آزادی کے موقع پر دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کے الزام میں متحدہ محاذ کے سترہ کارکنوں کو گرفتار کر لیا۔ اور پھر اس واقعہ پر احتجاج کرنے والے شہریوں پر لاٹھی چارج اور آنسو گیس کا استعمال کیا گیا۔ گرفتار شدہ حضرات میں سے قابل ذکر نام یہ ہیں:

چوہدری شوکت علی (جمعیتہ) محمد اکبر (جمعیتہ) محمد اقبال (جمعیتہ) ڈاکٹر نظام الدین (جمعیتہ) محمد یعقوب (جمعیتہ) صوفی عبد الستار (جمعیتہ) قاری محمد ایوب (جمعیتہ) ڈاکٹر دوست محمد (جماعت اسلامی) ڈاکٹر بشیر الواحد (جماعت اسلامی) ڈاکٹر غلام قادر (جماعت اسلامی) ممتاز لودھی (جماعت اسلامی) اور عبد الرزاق شاہ (جمعیتہ علماء پاکستان)

مولانا محمد شریف احرار کی رہائی کا مطالبہ

کالا گوجراں کی تمام مساجد میں جمعۃ المبارک کے اجتماعات میں سرپرست جمعیتہ علماء اسلام کالا گوجراں مولانا محمد شریف احرار خطیب جامع مسجد مدنی اور مولانا ضیاء اللہ شاہ بخاری گجراتی کی گرفتاری پر شدید احتجاج کیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ گرفتار شدہ علماء کو فوراً رہا کیا جائے۔ اور ان کے خلاف کئے گئے ڈی۔پی۔آر وغیرہ مقدمات واپس لیے جائیں

مولانا منظور احمد چنیوٹی

مولانا منظور احمد چنیوٹی پر اوچ شریف میں "قابلِ اعتراض" تقریر کرنے کے الزام میں حکومت نے مقدمہ قائم کیا ہے۔ مولانا پر ڈی۔پی۔آر کے تحت مقدمہ قائم کیا گیا۔

ڈاکٹر بشیر احمد اور حاجی عبد الرزاق صاحب کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان پر "الزام" ہے کہ انہوں نے مولانا چنیوٹی کی ضمانت کے لیے درخواست دی تھی۔

جمعیتہ کے رہنماؤں نے مولانا اور دیگر ساتھیوں کی گرفتاری کی مذمت کی اور فوری رہائی کا مطالبہ کیا۔

گوجرانوالہ میں گرفتاریاں

سیشن جج گوجرانوالہ نے جمعیتہ علماء اسلام کے ناظم نشر و اشاعت مولانا زاہد الراشدی، ضلعی ناظمِ اعلیٰ علامہ محمد احمد، ناظم ڈاکٹر غلام محمد، جمعیتہ طلباء اسلام کے حافظ گلزار احمد آزاد، محمد فاروق اور محمد زبیر بٹ کی ضمانت قبل از گرفتاری منظور کر لی ہے جب کہ مولانا منظور احمد چنیوٹی، مولانا احمد سعید، مولانا عبد الرؤف فاروقی اور جمعیتہ طلباء اسلام کے رشید اختر کی ضمانت قبل از گرفتاری کی درخواستیں مسترد کر دی ہیں۔ مولانا منظور احمد چنیوٹی کو ۱۱، اگست کو شیخوپورہ میں تقریر کے بعد پولیس نے گرفتار کر لیا اور وہ ابھی تک زیر حراست ہیں۔

مولانا عبد الرؤف فاروقی کی ضمانت بھی سٹی مجسٹریٹ نے منظور کر لی ہے اور وہ پانچ روز جیل میں رہنے کے بعد رہا ہو گئے ہیں۔

طالب علم رشید اختر جیل میں ہیں اور

فون: ۶۷۷۱۵ | ہفت روزہ ترجمانِ اسلام لاہور | رجسٹرڈ ایل نمبر ۷۱۳۲

115

میں

اشتہار

دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں

اشتہارات کے نرخ

آخری صفحہ مکمل : ۶۰۰/- روپے —— آخری صفحہ نصف : ۳۰۰/- روپے

آخری صفحہ فی کالم انچ : ۱۵/- روپے —— اندرونی صفحہ مکمل : ۴۰۰/- روپے

اندرونی نصف صفحہ ۲۰۰/- روپے —— اندرونی صفحہ فی کالم انچ : ۱۰/- روپے

نوٹ: اشتہار کی رقم پیشگی آنا ضروری ہے!

جھنگ صدر جمعیۃ علماء اسلام جھنگ کا یک روزہ عظیم الشان

کنونشن

۳۱ اگست بروز اتوار

جامع مسجد مومن پورہ جھنگ صدر میں منعقد ہوگا

جس میں ضلع بھر سے جمعیۃ علماء اسلام کے کارکن کثیر تعداد میں شرکت کریں گے کنونشن سے جمعیۃ علماء اسلام پنجاب کے رہنما

قاری عبدالسمیع صاحب نائب امیر جمعیۃ علماء اسلام پنجاب
مولانا سید نیاز احمد شاہ۔ ناظم عمومی 〃 〃 〃
مولانا محمد رمضان صاحب ناظم 〃 〃 〃
طالب علم رہنما جناب محمد اقبال شروانی
مولانا سعید احمد رائیپوری سرپرست جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان
قاری نور الحق قریشی ناظم انتخابات جمعیۃ علماء اسلام پاکستان۔
خواجہ عبدالرؤف صاحب سالارِ اعلیٰ پنجاب۔
شاعرِ حریت سید امین گیلانی صاحب

ملکی حالات ملی مسائل اور تنظیمی امور پر خطاب فرمائیں گے

اجلاس مجلس خصوصی جمعیۃ ضلع جھنگ صبح نو بجے اور مجلس عمومی بعد نمازِ عشاء ہوگا۔

پابندیٔ وقت ضروری ہے۔